جاسوسی دنیا

دلیر مجرم

ابن صفی

دلیر مجرم

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۱

ابنِ صفی

مارچ ۱۹۵۲

عجیب و غریب قتل

”مجھے جانا ہی پڑے گا مامی۔“ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اوور کوٹ کی دوسری آستین میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔“ بوڑھی سبیتا دیوی بولیں۔ ”لیکن سر میں اچھی طرح مفلر لپیٹ لو۔۔۔ سردی بہت ہے۔“

”مامی۔۔۔!“ ڈاکٹر شوکت بچگانے انداز میں بولے۔ ”آپ تو مجھے بچہ ہی بنائے دے رہی ہیں۔۔۔ مفلر سر میں لپیٹ لوں۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔!“

"اچھا بوڑھے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔" سبیتا دیوی منہ پھیلا کر بولیں۔ "مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہو گیا۔۔۔ نہ دن میں چین نہ رات میں چین۔ آج آپریشن کل آپریشن۔"

"میں اپنی اچھی مامی کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔"

"میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرونی تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہر میں کھاؤ گے۔" سبیتا دیوی بولیں۔

"کیا کروں مجبوری ہے۔۔۔ اس وقت سات بج رہے ہیں۔ نو بجے رات کو آپریشن ہو گا۔ کیس ذرا نازک ہے۔۔۔ ابھی جا کر تیاری کرنی ہو گی۔۔۔ اچھا خدا حافظ۔"

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سول ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دماغ کے

آپریشن کا ماہر ہونے کی حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ ایسی نہ تھی وہ چوبیس پچیس برس کا ایک خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بنا پر وہ سوسائٹی میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا جذبہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ آج کا آپریشن وہ کل پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارا نہ کیا۔

سبیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جھلّا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو ماننے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی ہوئی سہیلی جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک نبھائے جا رہی تھی۔ انہوں نے ان کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا تھا۔ وہ آج سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر بچہ بھی ایسا جس کا تعلق غیر مذہب سے ہو۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے مذہب پر چلا

سکتی تھیں لیکن ان کی نیک نیتی نے اسے گوارانہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ سبیتا دیوی کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بنا پر ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ اپنے مذہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے مذہبی احکام کی تعمیل کے لئے مجبور کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط نگر نامی قصبہ میں رہ رہی تھیں۔ جو شہر سے پانچ میل کی سوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوٹھی تھی۔ وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جائیداد کے تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی بنا پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے چلے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ ”میرے کمرے میں قندیل مت جلانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آج رات بھر تھکتا رہے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو برف

کی طرح ٹھنڈا اور یخ پائے۔ جاؤ جا کر اس کا بستر بچھا دو۔"

نوجوان خادمہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے سنا تھا۔ جو پر معنی بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے ایک مامتا بھرے دل کی جھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" سبیتا دیوی بولیں۔

"تو کیا آج رات ہم تنہا رہیں گے؟" خادمہ اپنی آواز دھیمی کر کے بولی۔ "وہ شخص آج پھر آیا تھا۔"

"کون شخص۔۔۔؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو باغ میں چھپ چھپ کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھی تھی کہ شاید وہ کوئی راستہ بھولا ہوا راہگیر ہو گا۔ مگر آج چھ بجے کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔"

"اچھا۔۔۔!" سبیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ "وہ شاید ہماری مرغیوں کی تاک میں

ہے۔ میں صبح ہی تھانے کے دیوان سے کہوں گی۔"

سبیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود الجھن میں پڑ گئیں۔ آخر یہ پراسرار آدمی ان کی کوٹھی کے گرد کیوں منڈلاتا رہتا ہے۔ انہیں اپنے مذہبی ٹھیکیداروں کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی گتھیاں ان کے ذہن میں رینگتی تھیں۔ آخر کار تھک ہار کر تسکین قلب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ یعنی وہ شخص وہ کوئی معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آ گئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجائے وہ سونے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں۔ انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادمہ ان کی افتاد طبع سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے کو دھماکے کے ساتھ بند ہوتے سنا۔

اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آگیا ہے۔ وہ بر آمدے سے نکل آئی۔ باغ میں سبیتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے تیز لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سبیتا دیوی بڑبڑاتی ہوئی آتیں دکھائی دیں۔

"تم۔" وہ بولیں۔ "ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے۔۔۔ نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔"

"کون تھا۔" خادمہ نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہی آدمی تو نہیں تھا۔" خادمہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے صبح بتاؤں گی۔۔۔ اچھا اب جاؤ۔"

خادمہ متحیر ہوتی چلی گئی۔ ہر چند اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو۔ لیکن یہ اسے حد درجہ پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراٹے لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملازمہ کو حد درجہ پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سبیتا دیوی خلاف معمول ابھی سو رہی ہیں۔ حالانکہ ان کا روز کا معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ ہی بجے سے اٹھ کر پوجا پاٹ کے انتظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعہ سے تشویش ہو گئی۔ لیکن اس نے سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جاگی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر ناشتہ لانے کو کہا۔

نو بج گئے لیکن سبیتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔۔۔ لیکن بے سود۔۔۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ ہار کر اس نے ایک بڑھئی بُلوایا۔ دروازہ ٹوٹتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

سبیتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چت لیٹی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک خنجر اس طرح پیوست تھا کہ صرف ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیہوش سا ہو گیا۔ ہوش آتے ہی وہ بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔ قصبہ کے تھانے پر اطلاع ہو گئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبل مقتولہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سر گوشیاں کر رہے تھے۔ خادمہ کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پر اسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باغ میں ٹہلتا ہوا پایا گیا تھا اور سبیتا دیوی رات میں اسی سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بحثوں سے قطعی غیر مطمئن تھا۔ جیسے جیسے وہ اپنی تجربہ کاری کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی

وہ اپنے قصبہ کی پولیس کا ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بُلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بنا پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کیس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ نجی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسسٹنٹ سرجنٹ حمید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی تیس بتیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آلودہ آنکھیں اس کی ذہانت اور تدبر کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے رکھ رکھاؤ اور تازہ شیو سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک با اصول اور سلیقہ مند آدمی ہے۔ سرجنٹ حمید کے خد و خال میں قدرے زنانہ پن کی جھلک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا نازبرداریوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوشبو والا سینٹ لگا رکھا تھا۔ اس کی عمر چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس

چھوٹی سی عمر میں بھی بلا کا ذہین تھا۔ اسی ذہانت کے بنا پر انسپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی گفتگو سے افسر یا ماتحتی کا پتہ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تھانہ کے سب انسپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد کچھ ناگوار سی گزری۔

"ڈاکٹر شوکت۔۔۔!" فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس نقصان کی تلافی ناممکن ہے البتہ رسمی طور پر میں اپنے غم کا اظہار ضرور کروں گا۔"

"انسپکٹر آج میری ماں مر گئی۔" شوکت کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔

"صبر کرو۔۔۔ تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہونا چاہیئے۔" فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔

"کہیے داروغہ جی کچھ سراغ ملا۔" اس نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

”ارے صاحب! ہم بیچارے بھلا سراغ لگانا کیا جانیں۔“ سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی نے جواب کی تلخی محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تفتیش میں ناکام رہتی ہے۔“

تھانے کے انسپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انسپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کر لیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز لہجہ میں بولا۔ ”لیکن میں ذاتی تعلقات کی بنا پر نجی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔“ تھانے کے سب انسپکٹر کی آنکھوں کی چمک دفعتاً اس طرح غائب ہو گئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک

گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ خادمہ نے شروع سے آخر تک رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔"

"جی نہیں۔۔۔ سوائے اس کے کہ وہ دیوی جی کے بڑبڑانے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے وقت بڑبڑایا کرتی تھیں۔"

"ہوں۔۔۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھیں۔"

"کچھ بے ربط باتیں تھیں۔ ٹھہریئے یاد کر کے بتاتی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا۔۔۔ وہ راج روپ نگر۔۔۔ راج روپ نگر چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔"

"راج روپ نگر۔۔۔!" فریدی نے دھیرے سے دہرایا اور کچھ سوچنے لگا۔

"حمید۔۔۔ تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا ہے؟" حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ڈاکٹر شوکت تم نے۔"

"میں نے تو آج تک نہیں سنا۔"

"کیا سبیتا دیوی نے بھی یہ نام کبھی نہیں لیا۔"

"میری یاد داشت میں تو نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "اب میں ذرا لاش کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سرہانے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انسپکٹر فریدی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا سب انسپکٹر کی اجازت سے مقتولہ کے سینے سے کھینچ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے

لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کارنس تھی۔ جس سے ایک بانس کی سیڑھی ٹکی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچ انگلیوں کے نشان۔ ”یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔“ تھانے کے سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خنجر کا جائزہ لینے لگا۔

”قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مشتاق خنجر باز معلوم ہوتا ہے۔“ انسپکٹر فریدی بولا۔ ”اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے۔۔۔ داروغہ جی اس خنجر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“

”خنجر۔۔۔ جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔“ سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

”جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“

”اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہار ہی بتا سکتے ہیں۔“

”جی نہیں۔۔۔ میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خنجر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔“

”نیپال۔۔۔!“ ڈاکٹر شوکت تحیر آمیز لہجہ میں بولا اور بے تابانہ انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

”خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خنجر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں

بنائے جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا کہ۔۔۔!" ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتہ لگ گیا ہے جس سے کل رات سبیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کانسٹیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کانسٹیبل نے بتایا رات سبیتا دیوی اسی سے جھگڑ رہی تھی۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی چلا آیا۔ سبیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کانسٹیبل ہے۔ اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ "ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خنجر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہئے تھا۔ سبیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب

قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچھے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔"

اس انکشاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنٹ حمید انہیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انسپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ سبیتا دیوی ڈاکٹر ہی کے دھوکے میں قتل ہوئی ہیں۔ اگر قاتل سبیتا دیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کہ سبیتا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ تلاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی

پر ملے ہیں اور پھر سبیتا دیوی کے قتل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکہ ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے دس برس قبل ہی قتل کر دیتا یا کرا دیتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شالہ کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ دس سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری قانونی وصیت محفوظ ہے ان کے قتل کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی اور اگر قاتل چوری کی نیت سے اتفاقاً اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ سو رہی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔

"ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی مقتولہ جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ چُرائے بغیر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔" داروغہ نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا۔

"مائی ڈیئر۔۔۔!" فریدی جوش میں بولا۔ "لیکن میں ثابت کر سکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کمرے میں ٹھہرا ہے۔"

سب انسپکٹر کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور سرجنٹ حمید اسے دانت پیس کر گھورنے لگا۔

انسپکٹر فریدی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ ''جس وقت شوکت نے مقتولہ کو دیکھا وہ سر سے پیر تک کمبل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کمرے میں داخل بھی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہٰذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کے منہ ڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آیئے۔۔۔ داروغہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے مقتولہ کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتولہ کا منہ دبایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منہ دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تاکہ وہ جنبش نہ کر سکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتولہ نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں میں دبا ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدّت میں صرف اتنا کر سکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے

ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور اسی حالت میں لاش ٹھنڈی ہوگئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمبل اُٹھا کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خودکُشی کا کیس ہو۔" سب انسپکٹر نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔

"جناب والا۔۔۔!" سرجنٹ حمید بولا۔ "اتنی عمر آئی لیکن کمبل اوڑھ کر آرام سے خنجر گھونپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کر سکتا۔"

سب انسپکٹر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

انسپکٹر فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر شوکت کو مخاطب کر کے بولا۔ "ڈاکٹر۔۔۔ تمہاری جان خطرہ میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تدابیر کرو۔ یہ

پلاٹ تمہارے ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر بتاؤ کیا تمہارا کوئی ایسا دشمن ہے جو تمہاری جان تک لے لینے میں دریغ نہ کرے گا۔"

"میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب نہیں رہے لیکن ٹھہریئے۔۔۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نیپالی خنجر کے تذکرے پر بے اختیار چونک پڑا تھا۔۔۔ تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا آپریشن کرنے جا رہا تھا کہ ایک اچھی حیثیت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے معذوری ظاہر کی۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگا۔ لیکن میں مجبور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہو جائے گی۔ آخر جب وہ نیپالی مایوس ہو گیا تو مجھے برا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔" دوسرے دن صبح جب میں ہسپتال جا رہا تھا تو چرچ روڈ کے چوراہے پر پیٹرول لینے کے لئے رکا تو وہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر

اس نے نفرت سے برا سا منہ بنایا اور اپنی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر میری طرف مکا تان کر کہنے لگا۔

”شالا۔۔۔ ہمارا آدمی مر گیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔“ میں نے ہنس کر موٹر اسٹارٹ کی۔

”ہوں اچھا۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”اس کی شکل و صورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔“

”یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل و صورت کے لگتے ہیں۔“ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

”خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو۔۔۔ اچھا داروغہ جی میرا کام ختم۔۔۔ ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر ایسا نہ کر سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بحسن و خوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا

کار تک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایت دینا چاہتا ہوں۔۔۔ اچھا داروغہ جی آداب عرض۔"

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ "یہ لو حفاظت کے لئے میں تمہیں دیتا ہوں۔۔۔ اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔"

"جی نہیں۔۔۔ شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔۔۔!" ڈاکٹر شوکت نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

"احمق آدمی بگڑ گئے۔۔۔ کیا؟ کیا سچ مچ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدھوں کے سامنے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ نجی تفتیش سے انکار کر دوں۔ یہ کم بخت صرف بڑے افسروں تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت کے چہرے پر رونق آ گئی اور اس نے ریوالور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

”دیکھو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوالینا۔ بہت ممکن ہے کہ میں دس بجے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہنا۔۔۔ اچھا خدا حافظ۔“

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر دی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

”کیوں بھئی کہو کیسا کیس ہے۔“ فریدی نے سگار سلگا کر سارجنٹ حمید کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں تو ایسا دلچسپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔“

”آپ تو دن رات کیسوں ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوڑائیے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اس میں دلچسپی نہ لو گے۔ میں تو آج ہی تفتیش

شروع کر رہا ہوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تضیع اوقات کے لئے ایک ماہ کی چھٹی نہیں لی۔"

"بے کاری میں تمہارا دل نہ گھبرائے گا۔۔۔؟"

"بے کاری کیسی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔"

"ایک عدد۔۔۔!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کئی عدد اور ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر شوکت کی نوجوان خادمہ کی طرف ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "معاف کیجیے گا۔۔۔ میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔"

"بڑے گدھے ہو تم۔۔۔ مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔" فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ "خیر ہٹاؤ۔۔۔ کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھئی سنا ہے کہ دو تین دن

ہوئے ریلوے گراؤنڈ پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھیل سات بجے شروع ہو گا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھالیں گے۔"

"ارے۔۔۔ یہ کیا بد پرہیزی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لا حول ولا۔۔۔ آپ اور لغویات۔۔۔ یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کر لی۔" حمید نے عجیب سامنہ بنا کر کہا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"معاف کیجیے گا۔۔۔ اس وقت تو آپ کسی چھ پیسے والے جاسوسی ناول کے مشہور جاسوس کی طرح بول رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"تم نے تو سرکس دیکھا ہو گا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کے ساتھ تعریف تھی۔"

"ایک نیپالی کا موت کے خنجر کا کھیل۔" حمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔

"کیا مطلب۔۔۔!"

فریدی نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔ "اچھا اس کھیل میں ہے کیا۔۔۔ تم تو ایک بار شائد دیکھ کر بھی آئے ہو۔"

"ہاں ایک لڑکی لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح خنجر پھینکتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تختے میں چبھتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ان خنجروں کے درمیان سے نکلتی ہے تو لکڑی کے تختے پر چبھے ہوئے خنجروں میں اس کا خاکہ سا بنا رہ جاتا ہے۔ بھئی واقعی کمال ہے، اگر خنجر ایک سوت بھی آگے بڑھ کر پڑے تو لڑکی کا قلع قمع ہو جائے۔"

"اچھا ان خنجروں کی لمبائی کیا ہو گی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

"میرے خیال سے وہ خنجر ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے مقتولہ کے سینے سے نکالا تھا۔"

"بہت خوب۔۔۔!" فریدی اطمینان سے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ خنجر کا کتنا حصہ لکڑی کے تختے میں گھس جاتا ہو گا۔"

"میرے خیال سے چوتھائی۔"

"معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے جوش میں کہا۔ "اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔"

"آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟" حمید بے چینی سے بولا۔

"ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری اسکیم کسی چھ پیسے والے ناول کے سراغ رساں ہی کی اسکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔"

"آخر کچھ بتایئے تو۔۔۔!"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ سبیتا دیوی کے قتل میں اسی نیپالی کا ہاتھ ہو۔"

”یوں تو اس کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”تم نہیں سمجھتے۔۔۔ ایک لحیم شحیم عورت کی لاش کو پھڑکنے سے روک دینا کسی معمولی طاقت والے آدمی کا کام نہیں۔ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے ڈاکٹر کو دھمکی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اس شبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہتا کہ قتل میں سرکس والے نیپالی ہی کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی دیکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی سراغ نہ مل سکا تو تفریح ہی ہو جائے گی۔“

”خیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں کھیل کے دوران میں آپ بحث مباحثہ کر کے میرا مزہ کرکرا کریں۔“

”تم چلو تو سہی۔۔۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے۔“ فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

شہر پہنچ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے ایوننگ نیوز میں نشاط نگر

کے قتل کا حال پڑھا۔ اس پر انسپکٹر فریدی کے دلائل کا ایک ایک لفظ تحریر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی نے نجی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے نجی تفتیش کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شائد سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے سپرد نہ کیا جاسکے۔

"میرے خیال سے جس شخص کو ہم لوگ ڈاکٹر کا پڑوسی سمجھ رہے تھے وہ ایوننگ نیوز کا نامہ نگار تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اب تک تو حالات ہمارے ہی موافق ہیں۔ اس خبر کا آج ہی شائع ہو جانا بڑا اچھا ہوا۔ اگر واقعی سرکس والا نیپالی ہی قاتل ہے تو ہم باآسانی اس پر اس خبر کا ردِّ عمل دیکھ سکیں گے۔"

"ہوں۔۔۔!" حمید کچھ سوچتے ہوئے یوں ہی بے خیالی میں بولا۔

"کیا کوئی نئی بات سوجھی۔" فریدی نے کہا

"میں کہتا ہوں آخر دردسری مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ چھٹیاں ہنسی

خوشی گزاریں۔"

"اچھا بکواس بند۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"آپ تو خفا ہو گئے۔ میرا مطلب تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدھ عشق کر لیتے تو اچھا ہوتا۔" حمید نے منہ بنا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بسر و چشم۔۔۔!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا میں اپنے آفیسر کا حکم کس طرح ٹال سکتا ہوں۔"

وہ سرکس شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل ہی ریلوے گراؤنڈ پہنچ گئے اور بکس کے دو ٹکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار

کھیلوں کے بعد اصل کھیل شروع ہوا۔ ایک ناٹے قد کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ رنگ میں داخل ہوا۔

"غضب کی لونڈیا ہے۔" حمید نے دھیرے سے کہا۔

"ہشت۔۔۔!" فریدی نیپالی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"خواتین و حضرات۔۔۔!" رنگ لیڈر کی آواز گونجی۔ "اب دنیا کا خوف ناک ترین کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جائے گی اور یہ نیپالی اپنے خنجر سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خفیف کی جنبش اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے۔ لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس ہمت سے کرتی ہے اور نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔"

"کھٹ۔۔۔!" ایک سنسناتا ہوا خنجر لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوتا ہوا لکڑی کے تختے میں تین انچ دھنس گیا۔ لڑکی سر سے پیر تک لرز گئی۔ رنگ ماسٹر نے نیپالی

کی طرف حیرت سے دیکھا اور اس کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہلنے لگے۔ دیکھنے والوں پر سناٹا چھا گیا۔

"کھٹ۔۔۔!" دوسرا خنجر لڑکی کے کاندھے کے قریب فراک کے پف کو چھدتا ہوا تختے میں دھنس گیا۔۔۔ لڑکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیڈر نے بے تابانہ رنگ کا چکر لگا ڈالا۔ نیپالی کھڑا دسمبر کی سردی میں اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"کیا اس دن بھی یہ خنجر جسم کے اتنے قریب لگے تھے۔" فریدی نے جھک کر حمید سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔" حمید نے بے تابی سے کہا۔ "ان کا فاصلہ تین یا چار انچ تھا۔۔۔!"

"کھٹ۔۔۔!" اب کی بار لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے رنگ کے باہر جاتے

دیکھا۔ فوراً ہی پانچ چھ جوکروں نے رنگ میں آکر اچھل کود مچادی۔

"خواتین و حضرات۔۔۔" رنگ ماسٹر کی آواز گونجی۔ "مجھے اس واقعہ پر حیرت ہے۔ نیپالی پندرہ بیس برس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور کچھ بیمار ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ بہر حال ابھی بہت سے دلچسپ کھیل باقی ہیں۔"

"آؤ چلیں۔۔۔!" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

متعدد خیموں کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر بعد منیجر کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ اندر بھجوادیا۔

منیجر اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پُرتپاک لہجے میں بولا۔ "فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔"

"میں خنجر والے نیپالی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا عرض کروں انسپکٹر صاحب۔۔۔ مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واقعہ

نہیں ہوا۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت نشے میں ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ اب اتنا دولت مند ہو گیا ہوں۔ مجھے نوکری کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نوٹوں کی کئی گڈیاں بھی دکھائی تھیں۔"

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ راج روپ نگر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی واقع ہونی شروع ہو گئی تھی۔"

"راج روپ نگر۔۔۔؟" حمید نے چونک کر کہا۔ لیکن فریدی نے اس کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا۔ "کیا راج روپ نگر میں بھی آپ کی کمپنی نے کھیل دکھائے تھے۔"

"جی نہیں۔۔۔ وہاں کہاں۔۔۔ وہ تو ایک قصبہ ہے۔ ہم لوگ وہاں ٹھہر کر اپنے دوسرے قافلے کا انتظار کر رہے تھے۔"

”راج روپ نگر۔۔۔ وہی تو نہیں جو وجاہت مرزا کی جاگیر ہے۔“

”جی ہاں۔۔۔جی ہاں وہی۔“

”کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔“

”جی ہاں۔۔۔ میٹرک پاس ہے۔“

”میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور ضرور۔۔۔ میرے ساتھ چلئے۔ لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کمپنی کا نام بدنام ہو۔“

”آپ مطمئن رہئے۔“

وہ تینوں خیموں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

”اندر چلئے۔۔۔!“ منیجر بولا۔

”نہیں صرف آپ جایئے۔ آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔ اگر وہ ملنا

پسند کرے گا تو ہم لوگ ملیں گے ورنہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

منیجر پہلے تو کچھ دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ فریدی نے اپنی آنکھیں خیمے کی جالی سے لگا دیں۔ نیپالی ابھی تک کھیل ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن پھر اس کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

"اوہ۔۔۔ آپ ہیں۔ میں سمجھا۔۔۔جی کچھ نہیں۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔

" تو کیا تم کسی اور کا انتظار کر رہے تھے۔" منیجر نے کہا۔

"جج جی۔۔۔!" وہ ہکلانے لگا۔ "نن نہیں۔۔۔ بب بالکل نہیں۔"

باہر فریدی نے گہرا سانس لیا اور اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔" نیپالی خود کو سنبھال کر بولا۔

”میں اس وقت اس معاملے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔“ منیجر بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ ایک صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“

نیپالی بری طرح کانپنے لگا۔

”مجھ سے مل۔۔۔ ملنا چاہتے ہیں۔“ وہ بدحواس ہو کر بیٹھتے ہوئے ہکلایا۔ ”مگر میں نہیں ملنا چاہتا۔ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“

”میں یہی بتانے کے لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے خیمے میں داخل ہو کر کہا۔ اس کے پیچھے حمید بھی تھا۔

”میں آپ کو نہیں جانتا۔“ اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں آپ سے نہیں ملا۔“

”میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر ہوں۔۔۔!“ فریدی نے جلدی سے کہا۔

”خفیہ پولیس۔۔۔!“ وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔ ”لیکن کیوں۔۔۔ آخر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“

”میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح صحیح جواب دو گے تو پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم کل رات نشاط نگر ڈاکٹر شوکت کی کوٹھی پر گئے تھے۔“

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار اچھل پڑا۔ فریدی کو اب پورا یقین ہو گیا۔

”نہیں نہیں۔۔۔!“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں چیخا۔ ”تم سفید جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔ میں وہاں کیوں جاتا۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔۔ پکا جھوٹ۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں مسٹر۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے گئے اور اس کے دھوکے میں سبیتا دیوی کو قتل کر آئے۔ اگر تم سچ سچ بتا دو گے تو میں تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔“

”آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”اوہ میرے خدا۔۔۔ میں نے بھیانک غلطی کی۔“

”شاباش، ہاں آگے کہو۔“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔ سرکس کا منیجر انہیں حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انسپکٹر فریدی کے اس اچانک حملے سے پہلے ہی سراسیمہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بے بس بچے کی طرح کہنا شروع کیا۔۔۔ ”جی ہاں۔۔۔ میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا میں تمہیں بچا لوں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے پیشگی دیئے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا۔۔۔ اس کا نام۔۔۔ ہاں اس کا نام ہے۔۔۔ اررر ہا۔۔۔ اف۔۔۔!“ وہ چیخ کر آگے کی طرف جھک گیا۔

”وہ دیکھو۔۔۔!“ سرجنٹ حمید چیخا۔

کسی نے خیمے کے پیچھے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ خنجر خیمے کے کپڑے کی دیوار

پھاڑتا ہوا اس کی پیٹھ میں گھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر خنجر کی گرفت سے آزاد ہو کر فرش پر آرہا۔

"حمید۔۔۔ باہر۔۔۔ باہر۔۔۔ دیکھو جانے نہ پائے۔" انسپکٹر فریدی غصہ میں چلایا۔

چیخ کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو تلاش کرنا شروع کیا لیکن بے سود۔۔۔ منیجر کو گھبراہٹ کی وجہ سے غش آگیا۔

کوتوالی اطلاع پہنچادی گئی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد کئی کانسٹیبل اور دو سب انسپکٹر موقع واردات پر پہنچ گئے۔ انسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصراً سارا حال بتایا۔ مقتول کے اقرار جرم کا گواہ منیجر تھا لہٰذا منیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ان کی کار تیزی سے نشاط نگر کی طرف جارہی تھی۔

"کیوں بھئی رہا نہ وہی۔۔۔ چھ پیسے والے جاسوسی ناول والا معاملہ۔" فریدی نے

ہنس کر کہا۔

"اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ کو یقین کیوں کر ہوا تھا کہ یہی قاتل ہے۔"

"یقین کہاں محض شبہ تھا لیکن منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھیل کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حماقت کی جوابدہی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو مد نظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیمے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ منیجر کو اندر بھیج کر میں جالی سے اس کا رد عمل دیکھنے لگا۔ جالی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔"

"بہر حال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہو گیا۔" حمید نے کہا۔

”کیا کہا آج سے۔۔۔ کیا پہلے نہ تھے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”نہیں پہلے بھی تھا۔“ حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنا رہا تھا۔

پھاٹک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ انسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالتفصیل اسے بتائے۔

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تم مطمئن ہو جاؤ۔“ فریدی نے شوکت کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فکر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔“

قاتل کی نئی چال

انسپکٹر فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس کی چھٹی ختم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفیسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولاً کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے کبھی تھی اور نہ اب۔ وہ خود بھی صاحب جائیداد اور شان سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی طرف اسے دراصل اس کی افتاد طبع لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی

امیروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اسے معلوم ہوا کہ چیف انسپکٹر صاحب کا اردلی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ چیف صاحب اپنے بنگلہ پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انسپکٹر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے لاپرواہی سے ناخوشگوار خیالات کو ذہن سے نکال پھینکا اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

"ہلو فریدی۔" چیف صاحب نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ دیر سے منتظر ہیں۔"

"مجھے ذرا دیر ہو گئی۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔" پولیس کمشنر نے اپنا سگار کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے۔"

"مسٹر فریدی۔۔۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارداتیں ہوئی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔" پولیس کمشنر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آئے ہوئے مجھے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں میری بہت بدنامی ہو گی۔ سول پولیس تو قطعی ناکارہ ہے اور معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی چھٹی فی الحال کینسل کرا لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ قاتل کا پتہ لگ جانے کے بعد میں آپ کو دو کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلا دوں گا۔ یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے۔ اسے افسری اور ماتحتی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" فریدی نے اپنی آرزو پوری ہوتے دیکھ کر پُر خلوص لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" پولیس کمشنر صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ "کل

رات آپ اپنا بیان دے کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی تلاشی لینے پر سات ہزار روپے کے نوٹ بر آمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدمی تھا۔ ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قاتل کی شخصیت کا پتہ لگ سکتا۔ بہر حال سبیتا دیوی کے قاتل کے سراغ کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے کل ہی رات یہ دونوں کیس محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیئے ہیں اب بقیہ ہدایات آپ کو چیف انسپکٹر سے ملیں گے۔"

"اور میں تم کو اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔" چیف انسپکٹر صاحب نے کہا۔ "اس کے کاغذات دس بجے تک تمہیں مل جائیں گے۔"

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں اپنا طریقہ کار بھی مکمل کر لیا ہے۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ

آپ یہی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک محکمہ سراغ رسانی تک نہیں پہنچا۔"

"تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق اکیلے ہی کام کرو گے۔" چیف انسپکٹر پولیس نے کہا۔ "یہ عادت خطرناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر جنہیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنٹ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے رات بھر نہ سویا ہو۔ فریدی کے گھر پہنچتے ہی وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کہو۔۔۔ خیریت تو ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔"

"کچھ کیا۔۔۔ میں بہت پریشان ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ گیر ہو گا لیکن جب میں نے اپنا شبہ رفو کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب پیچ در پیچ گلیوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تالا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے نیا تجربہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بج گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی بلا مقصد آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چسٹر کا کالر کھڑا کر رکھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باٹم روڈ اور بیلی روڈ کے چوراہے پر رک گیا۔ وہاں

ایک گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کار تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہٰذا تین میل پیدل چل کر آرہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے پندرہ میل کا چکر لگایا ہو گا۔"

"تمہاری نئی دریافت تو بہت دلچسپ رہی۔" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہا۔ اس کی آنکھیں اس طرح دھندلا گئیں جیسے اسے نیند آرہی ہو۔ پھر اچانک ان میں ایک طرح کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ "کیا کہا تم نے۔" فریدی بولا۔ "وہ باٹم روڈ کے چوراہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تمہیں شاید معلوم نہ ہو گا کہ اسی چوراہے پر اگر تم جنوب کی طرف چلو تو پندرہ میل چلنے کے بعد تم راج روپ نگر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ نگر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھو اگر وہ سچ مچ تمہارا پیچھا کر رہا

تھا تو تمہیں اس کا احساس تک نہ ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تا کہ تم اس کے پیچھے لگ جاؤ اور وہ اسی چوراہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کہ اصل مجرم راج روپ نگر کا باشندہ ہے۔ اوہ میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور منیجر کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ نگر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا۔۔۔ مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو۔"

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔" حمید نے کچھ سوچ کر کہا۔ "لیکن ٹھہریئے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بنا پر وہ پہچانا جا سکتا ہے اس کی پیٹھ پر بڑا سا کوبڑ تھا۔"

"اماں چھوڑو بھی۔۔۔ کوبڑ تو کوٹ کے نیچے بہت سا کپڑا ٹھونس کر بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ سچ مچ کبڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت ہی نہ دیتا۔"

”واللہ۔۔۔ آپ نے توشرلاک ہومز کے بھی کان کاٹ کر کھالئے۔“حمید ہنس کر بولا۔

”تم نے پھر وہی جاسوسی ناولوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کر دیئے۔“ فریدی نے براسامنہ بناکر کہا۔

”بخدا میں مضحکہ نہیں اڑارہاہوں۔“

”خیر ہٹاؤ۔۔۔ میں اس وقت تنہاراج روپ نگر جارہاہوں۔“

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تنہاراج روپ نگر جارہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔“

”اگر تم سوتے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا کیونکہ تم چھٹی پر ہو اور میں نے اپنی چھٹیاں کینسل کرا دی ہیں اور یہ کیس سرکاری طور پر میرے سپرد کیا گیاہے۔“

”یہ کب۔۔۔!“حمید نے متحیر ہوکر پوچھا۔

"ابھی۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

"تو پھر واقعی آپ تنہا جائیں گے۔" حمید نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ نے اپنا طریقہ کار سوچ لیا ہے۔"

"قطعی۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا۔ "کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی راج روپ نگر کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مثلاً یہی کہ راج روپ نگر نواب صاحب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے اور نواب صاحب کسی شدید قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سو رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سر کا آپریشن کرایا جائے لیکن موجودہ معالج کرنل تیواری جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپریشن کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نواب صاحب لاولد ہیں ان کے ساتھ ان کا سوتیلا بھتیجا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پتہ چلا ہے کہ نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی

تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے بھتیجے میں سے کوئی بھی جائیداد کی لالچ میں یہ خواہش نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرا دینے کی کوشش کی گئی ہو محض اس ڈر سے کہ کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آ جائیں کیونکہ ان کا فیملی ڈاکٹر آپریشن پر زور دے رہا تھا۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

"آپ کے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ کا تنہا جانا ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کار سمجھ میں آ جانے کے بعد میں تنہا کام کرنے کا عادی ہوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اور پھر تم نے حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔ میں تمہارے عشق میں گڑبڑ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوبہ کے لئے ایک عدد انگوٹھی ضرور لیتا آؤں گا۔ اچھا اب تم ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور میں چلا۔"

خوفناک بوڑھا

راج روپ نگر میں وجاہت مرزا کی عالی شان کوٹھی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقین آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قصبے کو ننھا منا سا خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ بس صرف الیکٹرک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی کوٹھی میں ایک طاقتور ڈائنمو لگا کر اس کی کمی کو پورا کر دیا تھا۔ البتہ قصبے والے بجلی کی روشنی سے محروم تھے۔ کوٹھی کے چاروں طرف چار فرلانگ کے رقبہ میں خوشنما باغات اور صاف و شفاف روشوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوٹھی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم

وضع کی عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہو گا اور نواب صاحب کے آباؤاجداد اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کرا دیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہو گا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔ نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس مینار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کرا کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرالی تھی۔ قصبے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔ بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چار فرلانگ کے رقبے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

انسپکٹر فریدی کوٹھی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ دفعتاً ایک نوکر برآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ”اب نواب صاحب کی کیسی طبعیت ہے۔“

"ابھی تو وہی حال ہے۔" نوکر اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

"میں روزنامہ خبر کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں اندر ہال میں تشریف لائیے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔"

فریدی برآمدے سے گزر کر ہال میں داخل ہوا۔ ہال کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آباؤ اجداد کی قد آدم تصویریں لگیں ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک پرانی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے گھنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے پیچھے کوئی جانا پہچانا چہرہ ہے۔

"ارے وہ مارا بیٹا فریدی۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑا۔ سامنے کی دروازے میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان قیمتی سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھجکا پھر

مُسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

"صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تنگ آگیا ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "کہئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" فریدی نے ادب سے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔ "جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھئے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔"

"نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔"

"ابھی تک ہوش نہیں آیا۔۔۔ اور کچھ۔۔۔!"

"کب سے بے ہوش ہیں؟"

"پندرہ دن سے۔۔۔ فیملی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ لیکن

کرنل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔" وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوٹھی کے پاس سے گزر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیٹ اچھل کر اس کی گود میں آرہی۔ ہیٹ میں بڑا سا چھید ہو گیا تھا۔ اس نے دل میں کہا۔ "بال بال بچے فریدی صاحب۔۔۔ اب کبھی موٹر کی چھت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائفل نے تمہاری جان ہی لے لی تھی۔" تھوڑی دور چل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوٹھی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوٹھی کے باغ میں ایک عجیب الخلقت بوڑھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائفل لئے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلانگ کر اندر پہنچ گیا۔ بوڑھا چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر

آگیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنویں تک سفید ہو گئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف۔۔۔ ہونٹ اتنے پتلے تھے کہ ان کے درمیان صرف ایک باریک سی گہری لکیر نظر آرہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چمک اور جسم میں حیرت انگیز پھُرتیلا پن تھا۔ وہ اچھل کر فریدی کے قریب آگیا۔

"مجھ سے ملئے۔۔۔ میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات۔۔۔ اور آپ۔۔۔؟"

"مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔ "میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہتھیار۔۔۔!" بوڑھے نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ "یہ تو میری دوربین ہے۔"

"وہ دوربین ہی سہی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔"

فریدی نے اپنے ہیٹ کا سوراخ اسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے ایک بار غور سے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر ہنس کر کہنے

لگا۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائفل ہی ہے۔ میں گلہریوں کا شکار کر رہا تھا۔ میں معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔" بوڑھے نے فریدی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نحیف الجبثہ بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریدی بوکھلا سا گیا۔

"آیئے۔۔۔ اندر چلئے۔۔۔ آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" وہ فریدی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پرانی کوٹھی میں داخل ہوا۔

"آج کل گلہریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آیئے میں آپ کو ان کے نمونے دکھاؤں۔" وہ فریدی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔

کمرے میں عجیب و غریب طرح کی خوشگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی

موم بتیاں جلائیں کمرے میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور کیلوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور کئی گلہریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی تڑپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خرگوش درد کی تکلیف سے چیخ اٹھتا تھا۔ فریدی کو اختلاج سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔

"اب آیئے میں آپ کو اپنی آبزرویٹری دکھاؤں۔" یہ کہہ کر وہ مینار کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مینار تقریباً پچیس فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔

"یہاں آیئے۔۔۔!" وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ "میں اس وقت نواب صاحب کی خوابگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیٹے ہیں۔ ان کے سرہانے ان کی بھانجی

بیٹھی ہے۔ یہ لیجیئے دیکھئے۔"

فریدی نے اپنی آنکھ شیشے سے لگادی۔ سامنے والی کوٹھی کی کشادہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پیر تک مخمل کا لحاف اوڑھے لیٹا تھا اور ایک خوبصورت لڑکی سرہانے بیٹھی تھی۔

"میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔" بوڑھا فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "بس کرو اب آؤ چلیں۔"

"مجھے کسی کے راز جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی اپنے شانے اچھالتا ہوا بولا۔

بوڑھا قہقہہ لگا کر بولا۔ "کیا مجھے احمق سمجھتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے محض اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اگل دوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب چلو بس تمہیں باہر جانے کا راستہ دکھادوں۔"

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ ابھی وہ ہال ہی میں تھے کہ دروازے پر کنور سلیم کی صورت دکھائی دی۔

"آپ یہاں کیسے ؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔ "کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔"

"جی نہیں۔۔۔ لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"آپ گلہریوں کا شکار کرتے کرتے آدمی کا شکار کرنے لگے تھے۔" فریدی پروفیسر کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میری ہیٹ ملاحظہ فرمایئے۔"

"اوہ سمجھا۔۔۔!" کنور سلیم تیز لہجے میں بولا۔ "پروفیسر تم براہ کرم ہماری کوٹھی خالی کر دو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے بھجوادوں گا۔۔۔ سمجھے۔"

بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

"معاف کیجیے گا۔۔۔ یہ بوڑھا پاگل ہے۔ خواہ مخواہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کا رخ قصبے کی طرف پھیر دیا۔ اب وہ نواب کے فیملی ڈاکٹر سے ملنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر توصیف ایک معمر آدمی تھا۔ اس سے قبل وہ سول سرجن تھا۔ پنشن لینے کے بعد اس نے اپنے آبائی مکان میں رہنا شروع کر دیا تھا جو راج روپ نگر میں واقع تھا۔ اس کا شمار قصبہ کے ذی عزت اور دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر توصیف انسپکٹر فریدی کو شاید پہچانتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گھبرا سا گیا۔

”مجھے فریدی کہتے ہیں۔“ اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو جانتا ہوں۔۔۔!“ ڈاکٹر توصیف نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔“

”ڈاکٹر صاحب میں ایک نہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمایئے۔۔۔ اچھا اندر تشریف لے چلئے۔“

”آپ ہی نواب صاحب کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔“ فریدی نے سگار لائٹر سے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔ جی۔۔۔ فرمایئے۔“ ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”کیا کرنل تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کر رہے ہیں۔“ وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

ڈاکٹر توصیف چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! ذہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تھوڑا سا دخل ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپریشن۔۔۔ آخر یہ کرنل تیواری تضیع اوقات کیوں کر رہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کرنل تیواری کو جسے کئی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلسلے میں کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں معالج کیوں مقرر کیا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی نجی معاملے میں داخل اندازی کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ سمجھے نہیں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گہری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ سے مدد لینی مناسب ہے۔"

"جی۔۔۔!" ڈاکٹر توصیف نے چونک کر کہا اور پھر مضمحل سا ہو گیا۔

"جی ہاں۔۔۔ کیا آپ میری مدد کریں گے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"بات دراصل یہ ہے انسپکٹر صاحب کہ میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔ لیکن کیا کروں۔۔۔ خود نواب صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔ انہیں دو ایک بار کرنل تیواری کے علاج سے فائدہ ہو چکا ہے۔"

"لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرنل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے منتخب کیا ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ البتہ انہوں نے میری آپریشن والی تجویز نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قبل مجھے لکھا تھا۔"

ڈاکٹر توصیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا

ادھ کھلی آنکھوں سے خلاء میں تاکتا رہا۔

"یہ دیکھئے نواب صاحب کا خط۔۔۔!" ڈاکٹر توصیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب صاحب کے ذاتی پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی کی پیشانی پر ان کا نام اور پتہ چھپا ہوا تھا۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"ڈیئر ڈاکٹر۔۔۔

آج دو دن سے مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک کرنل تیواری کو لے کر آجائیں تو بہتر ہے پچھلی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کرنل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر ہی آئیں گے۔

آپ کا وجاہت مرزا۔"

"ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا

ہے۔" فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

"اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب صاحب کا انداز تحریر لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کیجیے کیا آپ نے کبھی اتنی چوڑائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڈ بھی دیکھا ہے۔ کسی قدر بے ڈھنگا معلوم ہو رہا ہے۔ اوہ۔۔۔ یہ دیکھئے۔۔۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دستخط کے نیچے سے کسی نے کاغذ کا بقیہ ٹکڑا قینچی سے کاٹا ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا تھا۔"

"جی ہاں۔۔۔!" ڈاکٹر نے متحیر ہو کر کہا۔ "لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھا کر دستخط کر دینے کے بعد بھی نیچے لکھا ہو جسے کسی نے بعد میں قینچی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے

کنجوس نہیں کہ باقی بچا ہوا کاغذ کاٹ کر دوسرے مصرف کے لئے رکھ لیں۔"

"اف میرے خدا۔" ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔ "یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔"

"بہر حال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بحیثیت فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ کرنل تیواری کے بجائے کسی اور معالج سے علاج کرائیں۔"

"میں اس معاملے میں بالکل بے بس ہوں فریدی صاحب۔ حالانکہ نواب صاحب نے کئی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی۔۔۔ اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول ہسپتال کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔"

"اب تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے خط لکھ چکنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کہ اگر کرنل تیواری نہ مل سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے آیئے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔"

"ہوں۔۔۔!" توصیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور رجوع کیجیے۔ کم از کم اس صوبے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا ہوں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سو فیصدی کامیاب آپریشن کرے گا لیکن فریدی صاحب میں کرنل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"کرنل تیواری کی آپ فکر نہ کریں۔ اس کا انتظام میں کرلوں گا۔ آپ جتنی جلد ممکن ہو سکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کرلیجیۓ۔"

"آپ کرنل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔"

"انتظام کرنا کیسا! وہ تو قریب قریب ہو چکا ہے۔" فریدی نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تین دن کے بعد کرنل تیواری کا یہاں سے تبادلہ ہو جائے گا۔ اوپر سے حکم آ گیا ہے۔ مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرنل تیواری کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں اتنی جلد جانا ہو گا کہ شاید وہ دھوبی کے یہاں سے اپنے کپڑے بھی نہ منگا سکیں۔ لیکن یہ راز کی بات ہے اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اچھا تو اب میں چلوں۔۔۔ آپ کرنل تیواری کے تبادلے کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر شوکت کو یہاں لے آیئے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ ہاں دیکھئے اس کا خیال رہے کہ میری ملاقات کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خاندان کے کسی فرد اور اس خبطی بوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ صاحب مجھے تو وہ بوڑھا

انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔"

"میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔۔۔!"

" وہ آخر ہے کون۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے سامنے اس سے پرانی کوٹھی کا کرایہ نامہ لکھوایا تھا۔ بلکہ میں نے اس پر گواہ کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔"

"خیر۔۔۔ اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔"

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جارہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا الجھا ہوا تھا۔ بہر حال وہ جو مقصد لے کر راج روپ نگر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تھوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہوتا جارہا تھا۔

سڑک کے دونوں طرف دور دور تک چھیول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ایک جگہ اسے بیچ سڑک پر ایک خالی تانگہ کھڑا نظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر کے ہارن دینا شروع کیا لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہٰذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ اسے دور جھاڑیوں میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کا منہ دبالیا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل میں گھسا جارہا تھا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا اور ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کانوں کے قریب سے نکل گئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے رینگتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پے در پے فائر ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے بھی اپنا پستول خالی کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف سے فائر ہونا بند ہو گئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوس چڑھارہا تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سر ابھارا ہی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے پیچھے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ ہی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر اندھا دھند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چیختا کراہتا سڑک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اب بھی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جارہا تھا۔ کار میں پہنچتے ہی وہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتی ہی سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اخبار والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے انسپکٹر فریدی کا قتل۔۔۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل۔۔۔ شام کا تازہ پرچہ پڑھئے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انسپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انسپکٹر فریدی کار سے اترتے وقت لڑکھڑا کر گر پڑے۔ کسی نے ان کے داہنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔ فوراً ہی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان بر نہ ہو سکے۔ تین گھنٹے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر

وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

انسپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوی کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روزنامچے میں کسی کی کوئی خانہ پری نہیں کی۔ چیف انسپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ابھی تک کوئی نہیں بتا سکتا کہ انسپکٹر فریدی آج صبح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جمی ہوئی گرد اور پہیوں کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

"انسپکٹر فریدی کی عمر تیس سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بنگلے اور ایک بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ خبر آگ کی طرح آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ انسپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی

کوشش کی لیکن انہیں لاش دیکھنے کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ پوسٹ مارٹم کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنٹ حمید نہ جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انسپکٹر فریدی راج روپ نگر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انسپکٹر کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خفیہ پولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسرے جاسوسوں اور بہتیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھ سے یہ تک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کینسل کرا دی ہے پھر سراغ رسانی کا پروگرام کیا بتاتے۔ کسی کو یہ جواب دیتا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہ مل کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دس بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا سرجنٹ حمید کے گھر سے نکلا۔ بڑی دیر تک یوں ہی بے مصرف سڑکوں پر مارامارا پھرتا رہا پھر ایک گھٹیا سے شراب خانے میں گھس گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے پیر بری طرح ڈگمگا رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کثرت سے پی گیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹیکسیوں کی طرف چل پڑا۔

"ول بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔" اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"صاحب ہمیں فرصت نہیں۔۔۔!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"او بابا پیسے دے گا۔۔۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں صاحب۔۔۔ مجھے فرصت نہیں۔" ٹیکسی ڈرائیور نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ارے لو ہمارا باپ۔۔۔ تم بھی شالا کیا یاد کرے گا۔" اس نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب چلے گا ہمارا باپ۔"

”بیٹھئے کہاں چلنا ہو گا۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”جاؤ ہم نہیں جانا مانگتا۔۔۔ ہم تم کو تیس روپیہ خیرات دیا۔“ اس نے روٹھ کر زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں صاحب اُٹھئے چلئے۔۔۔ جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جہنم ہی کیوں نہ ہو۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے نشے کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”جہنم لے چلے گا۔“ نیپالی نے اٹھ کر پر مسرت لہجے میں کہا۔ ”تم بڑا اچھا ہے۔ تم ہمارا باپ ہے۔۔۔ تم ہمارا بھائی ہے۔۔۔ تم ہمارا ماں ہے۔۔۔ تم ہمارا بی بی ہے۔۔۔ تم ہمارا بی بی کا شالا ہے۔۔۔ تم ہمارا۔۔۔ تم ہمارا۔۔۔ تم ہمارا کیا ہے۔“

”صاحب ہم تمہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلے گا۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا کر ہنستے ہوئے کہا۔

”جدھر ہم بتلانا مانگتا۔ شائد تم نہیں جانتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشش

دے گا۔" مدہوش نیپالی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شیدھا چلو۔"

دوسرے موڑ پر پہنچ کر ٹیکسی راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔

کتّے کی موت

ڈاکٹر شوکت انسپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر یک بیک یہ کیا ہو گیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سبیتا دیوی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کر لینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح واقع ہوتی ہیں۔

سبیتا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک یہی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی

ہم مذہب کا ہے۔ جس نے مذہبی جذبات سے اندھا ہو کر آخر کار انہیں قتل ہی کر دیا۔ انسپکٹر فریدی کا یہ خیال کے وہ حملہ دراصل اسی پر تھا رفتہ رفتہ اس کے ذہن سے ہٹتا جارہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سے راج روپ نگر سے ڈاکٹر توصیف کا خط ملا تو اس نے اس قصبے کے نام پر دھیان تک نہ دیا۔

دوسرے دن ڈاکٹر توصیف خود اس سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے نواب صاحب کے مرض کی ساری تفصیلات بتا کر اسے آپریشن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ نگر کی طرف جارہی تھی۔ وہ اپنے اسسٹنٹ اور دو نرسوں کو ہدایت کر آیا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ نگر پہنچ جائیں۔

نواب صاحب کے خاندان والے ابھی تک کرنل تیواری کے تبادلے اور توصیف کے نئے فیصلے سے ناواقف تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حیرت میں پڑ گئے۔ خصوصاً نواب صاحب کی بہن تو آپے سے باہر ہو گئیں۔

"ڈاکٹر صاحب۔۔۔!" وہ توصیف سے بولیں۔ "میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔"

"محترمہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔" توصیف نے بے پروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نواب صاحب کی بہن نے حیرت اور غصہ کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ اچانک کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی۔"

"کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے۔"

"ان کا خط ملاحظہ فرمایئے۔" ڈاکٹر توصیف نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کنور سلیم اور نواب صاحب کی بھانجی نجمہ بھی جھک کر دیکھنے لگیں۔

"لیکن میں آپریشن تو ہرگز نہ ہونے دوں گی۔" بیگم صاحبہ نے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے محترمہ۔۔۔ یہاں آپ کی رائے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ نواب صاحب کے طبّی مشیر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کرنل تیواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کر سکتا ہوں۔"

"قطعی۔۔۔ قطعی۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر ڈاکٹر شوکت میرے چچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلا دیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

"سلیم۔۔۔!" نواب صاحب کی بہن نے گرج کر کہا۔

"پھوپھی صاحبہ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بہن کا دل

رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت کی خاطر دل پر پتھر رکھنا ہی پڑے گا۔“

”کنور بھیا۔۔۔ آپ اتنی جلد بدل گئے۔“ نجمہ نے کہا۔

”کیا کروں نجمہ۔۔۔ اگر کرنل تیواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپریشن کے لئے تیار نہ ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تم ہی بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔“

”کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟“ نواب صاحب کی بہن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

”یہ تو میں مریض کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔“ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نواب صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اوڑھے چت لیٹے ہوئے تھے ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گہری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت نے اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپریشن کے بغیر کام نہ چلے گا۔" ڈاکٹر شوکت نے اپنے آلات کو ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب لوگ نیچے واپس آ گئے۔

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشفی کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات سنا ڈالے۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

"پھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔" بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ "ڈاکٹر شوکت صاحب کا ثانی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔"

"میں کس قابل ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "سب خدا کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔"

”ہاں یہ تو بتایئے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔“کنور سلیم نے پوچھا۔

”فی الحال ایک انجکشن دوں گا۔“

”اور آپریشن کب ہو گا۔“نواب صاحب کی بہن نے پوچھا۔

”آج ہی۔۔۔ آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہو جائے گا۔ چار بجے تک میرا اسسٹنٹ اور دو نرسیں یہاں آجائیں گی۔“

”میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔“نواب صاحب کی بھانجی نے کہا۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن کامیاب ہو گا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔“

”ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجیے۔“کنور سلیم ہنس کر بولا۔ ”بے چاری عورتوں کے بس میں گھبرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

نواب صاحب کی بہن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"میرا مطلب ہے پھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر بددل نہ ہو جائیں۔ اب چچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہیئے۔ کوئی حد ہے اٹھارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔"

"تم اس طرح کہہ رہے ہو گویا ہم لوگ انہیں صحت مند دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں!" بیگم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔!" فیملی ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "ہاں تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال سے اب آپ انجکشن دے دیجیئے۔"

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر توصیف اور کنور سلیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں ماں بیٹیاں ہال ہی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجمہ کچھ کہہ رہی تھی اور نواب صاحب کی بہن کے ماتھے پر شکنیں ابھر

رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئیں۔

انجکشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سلیم اور ڈاکٹر توصیف کے ہمراہ باہر آیا۔

"اچھا کنور صاحب اب ہم چلیں گے۔ چار بجے تک نرسیں اور میرا اسسٹنٹ آپ کے یہاں آ جائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"تو یہیں قیام کیجیے نا۔۔۔!" سلیم نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ ڈاکٹر توصیف کے یہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قصبے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔ ہم لوگ چھ بجے تک یقیناً آ جائیں گے۔"

ڈاکٹر کار میں بیٹھ گئے لیکن ڈاکٹر شوکت کی پے در پے کوششوں کے باوجود بھی کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔

"یہ تو بڑا مصیبت ہوئی۔" ڈاکٹر شوکت نے کار سے اتر کر مشین کا جائزہ لیتے ہوئے

کہا۔

"فکر مت کیجیے۔۔۔ میں اپنی کار نکال کر لاتا ہوں۔" کنور سلیم نے کہا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوٹھی کے قریب واقع تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کی بہن آ گئیں۔

"ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے ان سے کہا۔

"اوہ۔۔۔ کار تو میں نے شہر بھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔"

"اچھا تو پھر آیئے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں۔۔۔ صرف ڈیڑھ میل تو چلنا ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا

"ڈاکٹر توصیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔" نواب صاحب کی بہن نے کہا۔ "اگر آپ لوگ شام تک یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجیے۔۔۔!" بیگم صاحبہ بولیں۔ "اگر کار شام تک واپس آ گئی تو میں چھ بجے تک بھجوا دوں گی۔ ورنہ پھر کسی دوسری سواری کا انتظام کیا جائے گا۔"

"شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپریشن کے وقت میں کافی چاق و چوبند رہنا چاہتا ہوں۔" شوکت نے کہا اور قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سلیم ملا۔

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ یہیں رہئے آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔"

"حرج تو کوئی نہیں لیکن مجھے تیاری کرنی ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

"اچھا تو چلئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

”نہیں۔۔۔شکریہ۔۔۔راستہ میرا دیکھا ہوا ہے۔“

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کوٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ عجیب الخلقت بوڑھا پروفیسر عمران قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ہیلو ہیلو۔۔۔!“ بوڑھا چیخا۔ ”اپنے مکان کے قریب اجنبیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔“

ڈاکٹر شوکت رُک گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے ہوں۔ اتنی خوفناک شکل کا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گزرا تھا۔

”مجھ سے ملئے۔۔۔ میں پروفیسر عمران ہوں۔“ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اور آپ۔۔۔!“

”مجھے شوکت کہتے ہیں۔۔۔!“ شوکت نے بادل نخواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

لیکن اس نے محسوس کیا کہ ہاتھ ملاتے وقت بوڑھا کچھ سست پڑ گیا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور قہقہہ لگاتا، اچھلتا کودتا پھر پرانی کوٹھی میں واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر شوکت متحیر کھڑا تھا۔ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا کتّا اس پر جھپٹا۔ ڈاکٹر شوکت گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کتّے نے جست لگائی اور ایک بھیانک چیخ کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ چند سیکنڈ تک وہ تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ ڈاکٹر شوکت کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"ارے یہ میرے کتے کو کیا ہوا۔۔ ٹائیگر ٹائیگر۔۔۔!" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر شوکت چونک پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھانجی نجمہ کھڑی تھی۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" شوکت نے کہا۔

"میں نے اس کے غرّانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر جھپٹا تھا لیکن اس کی سزا

موت تو نہ ہو سکتی تھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"یقین فرمایئے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا۔۔۔ اگر آپ کو مجھ پر شبہ ہے تو بھلا بتایئے میں نے اسے کیوں کر مارا۔۔۔؟"

نجمہ کتے کی لاش پر جھکی اسے پکار رہی تھی۔ "ٹائیگر ٹائیگر۔۔۔!"

"بے سود ہے محترمہ یہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔" شوکت کتے کی لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔

"آخر اسے ہو کیا گیا۔" نجمہ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔"

"سخت حیرت ہے۔۔۔!"

دفعتاً ڈاکٹر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اس کے پنجوں کا معائنہ کرنے لگا۔

"اوہ۔۔۔!" اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکلی اور اس نے کتے کے پنجے میں چبھی ہوئی گراموفون کی ایک سوئی کھینچ لی اور حیرت سے اسے دیر تک دیکھتا رہا۔

"دیکھئے محترمہ غالباً یہ زہریلی سوئی ہی آپ کے کتے کی موت کا سبب بنی ہے۔"

"سوئی۔۔۔!" نجمہ نے چونک کر کہا۔ "گراموفون کی سوئی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔!"

"مطلب تو میں بھی نہیں سمجھا لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حد تک زہریلی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کتا بہت عمدہ تھا۔"

"لیکن یہ سوئی کہاں سے آئی؟" وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"کسی سے گر گئی ہو گی۔"

"عجیب بات ہے۔"

شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تھرمامیٹر رکھنے والی نالی میں رکھ لی اور بولا۔ "یہ

ایک دلچسپ چیز ہے۔ میں اس کا کیمیاوی تجزیہ کروں گا۔ آپ کے کتے کی موت پر ایک بار پھر اظہار افسوس کرتا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ ڈاکٹر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"واقعی بہت اچھا کتا تھا۔ اس نسل کے گرے ہاؤنڈ کمیاب ہیں۔" شوکت نے جواب دیا۔

"ہونے والی بات تھی۔۔۔ افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ سوئی اس خبطی بوڑھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں ہیں۔۔۔ منحوس کہیں کا۔"

"کیا آپ ان ہی صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوٹھی

سے نکلے تھے۔"

"جی ہاں۔۔۔وہی ہو گا۔۔۔!" نجمہ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت ہی عجیب و غریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران۔۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھئے اس نے مینار پر ایک دوربین بھی لگا رکھی ہے۔"

"پروفیسر عمران۔۔۔ ماہر فلکیات۔۔۔ یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور ملوں گا۔"

"کیا کیجیے گا مل کر۔۔۔ دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "خیر ہٹائیے ان باتوں کو۔۔۔ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی نہیں آپ مطمئن رہئے۔ انشاءاللہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر

شوکت نے کہا۔ ”اچھا اب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔“

ڈاکٹر شوکت قصبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بال بال بچے

راستے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتے کی موت میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خلش بھی اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی جو نجمہ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ زندگی بھر کھڑا اس سے اسی طرح باتیں کئے جائے۔ عورتوں سے بات کرنا اس کے لئے نئی بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نرسوں میں گھرا رہتا تھا اور پھر اس کے علاوہ اس کا پیشہ ایسا تھا کہ اور دوسری عورتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ میں نہ جانے کونسی ایسی بات تھی جو رہ رہ کر اس کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے پیش کر دیتی تھی۔

ڈاکٹر توصیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سکیم مرتب کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا۔۔۔ ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا۔۔۔ اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح اس کا کہ وہ گیارہ بجے کھانا کھائے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر توصیف بھی نواب صاحب کی کار پر آ گیا۔

"کہیئے ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ البتہ کتے کی موت سے ہر شخص حیرت زدہ ہے۔ لایئے دیکھوں تو وہ سوئی۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے۔۔۔ بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے تھرمامیٹر کی نلکی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "دیکھتے ہی دیکھتے کتا ختم ہو گیا۔"

"گراموفون کی سوئی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں پوٹاشیم سائیانائیڈ یا اس قبیل کا کوئی اور زہر ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھرمامیٹر کی نلکی میں رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "اس کی عجیب و غریب چیزیں اور حرکتیں دور تک مشہور ہیں۔"

"مجھے ابھی تک پروفیسر کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ لیکن میں اس پراسرار شخصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کہ وہ ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"اس کی زندگی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "لیکن اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ اب سے دو سال پیشتر وہ ایک صحیح الدّماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس کے عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہونی شروع ہو گئیں اور اب تو سب ہی کا یہ خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

”میں نے تو صاحب اتنا بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔“ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی اس کے بعد ڈاکٹر توصیف بولا۔ ”ہاں تو آپ کا کیا پروگرام ہے۔ میرے خیال سے تو اب دوپہر کا کھانا کھالینا چاہئے۔“

کھانے کے دوران آپریشن اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈاکٹر شوکت کو کچھ یاد آگیا۔

”ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ضروری ہدایات دینا بھول گیا ہوں۔۔۔ اگر آپ ایسا انتظام کر سکیں کہ میرا رقعہ اس تک پہنچادیا جائے تو بہت اچھا ہو۔“ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”چلئے اب دو کام ہو جائیں گے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”میں دراصل شہر ہی جانے کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقعہ دے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔“

”اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔“

”اس رقعے کے علاوہ کوئی اور کام۔۔۔؟“

”جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوٹھی لیتے جایئے گا۔“

”بہتر ہے۔۔۔ چھ بجے آپ کے لئے کار بھجوادی جائے گی۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپریشن ذرا نازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپریشن سے قبل اتنی ورزش ہو جائے جس سے جسم میں چستی پیدا ہو سکے۔“

”ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت ایک اچھے ڈاکٹر کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔“

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یکے بعد دیگرے وہ کتابیں

پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کاغذ پر پینسل سے کچھ ڈائیا گرام بنائے اور دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے کچھ فائل دیکھے۔ انہی مشغولات میں دن ختم ہو گیا۔ تقریباً پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیئے۔ اسے ٹھیک چھ بجے یہاں سے روانہ ہونا تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی پھیکی پھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نوکر انڈے کی سینڈوچ اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سلیم کی درخواست کے مطابق اسے کوٹھی میں کھانا تھا۔ اس لئے اس نے صرف ایک سینڈوچ کھائی اور دو کپ کافی کے بعد سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔ گھڑی نے چھ بجائے۔۔۔ اس نے کپڑے پہنے اور چسٹر کاندھے پر ڈال کر روانہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جا رہا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں اور درختوں کی قطاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوصاً اور زیادہ تاریک ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپریشن کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔ اس سے تقریباً پچاس گز پیچھے ایک دوسرا آدمی

جھاڑیوں سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ شاید اس نے ربڑ سول کے جوتے پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹر شوکت اس کے قدموں کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ ایک جگہ ڈاکٹر شوکت سگریٹ سلگانے کے لئے رکا ساتھ ہی وہ شخص بھی رک کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے ہی شوکت نے چلنا شروع کیا وہ پھر جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سڑک زیادہ چلتی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محض کوٹھی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اگر نواب صاحب نے اپنی کوٹھی بستی کے باہر نہ بنوائی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔

شوکت کے وزنی جوتوں کی آواز اس سنسان سڑک پر اس طرح گونج رہی تھی جیسے وہ جھاڑیوں میں دبک کر ٹیں ٹیں ریں ریں کرنے والے جھینگروں کو ڈانٹ رہی ہوں۔۔۔ شوکت چلتے چلتے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے لگا۔

اسے اپنے جوتوں کی آواز سیٹی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی

درخت پر ایک بڑے پرندے نے چونک کر اپنے پر پھڑ پھڑاتے اور اڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جھاڑیوں کے پیچھے قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈاکٹر شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شاخیں آپس میں مل کر اس طرح گنجان ہو گئی تھیں کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پھندے کی گرفت تنگ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کنپٹیوں اور آنکھوں میں دھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گہری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جھینگروں اور گیدڑوں کا شور دور خلا میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دو فٹ کی بلندی پر

جھول رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کود کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آدمی اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔ دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ کودتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے رسی ڈھیلی کر کے آہستہ آہستہ ڈاکٹر شوکت کے پیر زمین پر ٹکا دیئے پھر رسی کو اسی طرح باندھ کر نیچے اتر آیا۔ اب اس نے جیب سے چاقو نکال کر رسی کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سڑک پر لٹا دیا۔ پھندا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پر اسرار اجنبی نے دیا سلائی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش پیدا ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دس پانچ منٹ کے بعد ہوش میں آجائے گا۔ دو تین منٹ گزر جانے پر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کراہ کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے۔۔۔ بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پھندا نہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بری طرح دکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح بچ گیا۔ اب اسے فریدی مرحوم کے الفاظ بری طرح یاد آرہے تھے اور ساتھ ہی سیتا دیوی کی خواب کی بڑبڑاہٹ بھی یاد آگئی تھی۔ "راج روپ نگر" اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی کتنا احمق تھا کہ اس نے فریدی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندھیری رات میں تنہا چلا آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقشہ پھر گیا جس نے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچانک وہ زہریلی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھیانک چہرہ۔۔۔ جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ٹھیک اسی جگہ کتا بھی اچھل کر گرا تھا۔ تو کیا پروفیسر۔۔۔ پروفیسر۔۔۔ لیکن آخر کیوں ؟ یہ سب سوچتے سوچتے اسے اپنی موجودہ حالت کا خیال آیا اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چسٹر قریب ہی پڑا

تھا۔ اس نے جلدی سے چسٹر اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھڑی میں وقت دیکھے لیکن پھر دیا سلائی جلا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔

کوٹھی میں سب لوگ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے سات بجے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھ بج رہے تھے۔

"شوکت بہت ہی با اصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا۔

نجمہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہو سکتی ہے۔" کنور سلیم نے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روانہ ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بھجوا دوں گا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آں یہ کون آ رہا ہے۔۔۔ ہلو۔۔۔

ڈاکٹر۔۔۔ بھئی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔"

ڈاکٹر شوکت بر آمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھر اپنے چہرے سے پریشانی کے آثار مٹانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنی حماقت کی وجہ سے چلتے وقت ٹارچ لانا بھول گیا۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔"

"لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تنکے کہاں سے آ گئے۔۔۔جی وہاں نہیں۔ پیچھے کی طرف۔۔۔!" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"تنکے۔۔۔ اوہ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ ہٹائیے بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کچھ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ بتائیے نا۔۔۔ آخر بات کیا ہے؟" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے وہ تو ایک پاگل کتا تھا۔۔۔ راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ اندھیرا کافی

تھا۔۔۔ میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا تھا۔ وہ تو کہئے ایک راہگیر ادھر آ نِکلا ورنہ۔۔۔!"

"آج کل دسمبر میں پاگل کتا۔" نجمہ نے حیرت سے کہا۔ "کتے تو عموماً گرمیوں میں پاگل ہوتے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ یہ ضروری نہیں۔" کنور سلیم نے جواب دیا۔ "اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خیر۔۔۔ آپ خوش قسمت تھے ڈاکٹر شوکت۔۔۔ پاگل کتوں کا زہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں بھئی ڈاکٹر۔۔۔ وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔"

"وہ اس وقت وہیں ہیں۔۔۔!" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" نجمہ بولی۔

"میرا انتظار آپ لوگوں نے ناحق کیا۔ میں آپریشن سے قبل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔ کھانا کھا لینے کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔۔۔!"

"جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے بڑے آدمی نے یہ ضرور کہا ہو گا۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ نجمہ سے نگاہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیر صاحب۔۔۔ وہ کچھ سہی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔" کنور سلیم نے ہنس کر کہا۔ "کھانا دیر سے منتظر ہے۔ ہر تندرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔"

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوٹھی کے باہر

پرانی کوٹھی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ ”لیکن میں نہیں جاؤں گا۔“

”تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے میری جان۔“ دوسری آواز سنائی دی۔ ”نہ جانے میں تمہارا ہی نقصان ہے؟“

"میرا نقصان۔۔۔!" پروفیسر کی آواز آئی۔ "یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہر گز نہ جاؤں گا۔"

"تمہیں چلنا پڑے گا۔" کسی نے کہا۔

"سنو اسے ابابیل کے بچے۔۔۔ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف کہیں لے جاسکو۔" پروفیسر چیخا۔

"خیر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے سفیدہ کیسے ملتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلنے لگا۔

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ تو ایسے بات کرو نا۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم بہر بہوٹی کے بچے ہو۔" پروفیسر ہنس کر بولا۔

"بہر بہوٹی۔۔۔ ہاں بہر بہوٹی۔۔۔ مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلنا ہو گا۔"

"اچھا تو آؤ پھر چلیں۔" پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لنگڑاتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک وزنی گٹھڑی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھونسہ تان کر کہنے لگا۔

"ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلا دوں گا۔ چھچھوندر کی اولاد نہیں تو۔۔۔ مریخ، زحل، مشتری، عطارد سب کے سب تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مُرغا چرایا تھا۔ چمگاڈر مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نُطفہ ہے۔ چلا ہے وہاں سے مکھیاں مارنے۔۔۔ بڑا آیا کہیں کا تیس مار خان۔ تیس مار خان کی ایسی کی تیسی۔۔۔ نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوس اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوس اسے چبا جاؤ۔ چڑیلوں کی حرافہ نانی اشقلونیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناچ رہا ہوں۔ میں تیرا بھتیجا ہوں۔۔۔ آ جا

پیاری۔۔۔!" یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں ناچنا شروع کر دیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ "میں اس آگ کا پجاری ہوں جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزارہا سال سے میں اس کی پوجا کرتا آ رہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کر رہا ہوں لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہریوں کے کباب کھلاتا ہوں۔۔۔ میں تتلیوں کے پروں سے سگریٹ بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے ابلیس تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلا دوں گا۔۔۔!"

وہ اور نہ جانے کیا بڑبڑاتا اچھلتا کودتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں غائب ہو گیا۔

پروفیسر کی شرارت

مریض کے کمرے کا منظر حد درجہ متاثر کن تھا۔ نرس اور ڈاکٹر سب سفید کپڑوں میں ملبوس آہستہ آہستہ ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ آپریشن ٹیبل جو سول ہسپتال سے خاص اہتمام کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ مریض کو اس پر لٹایا جا چکا تھا۔ کمرے میں بہت زیادہ طاقت والے بلب روشن کر دیئے گئے تھے۔ سلانچیوں میں گرم و سرد پانی رکھا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک دوسری میز پر عجیب و غریب قسم کے آپریشن کے اوزار اور ربڑ کے دستانے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے حادثے کو قطعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان صرف آپریشن کی طرف تھا۔ ایک آدمی کی زندگی خطرے میں تھی۔ تمام تر کوششیں صرف کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ نوجوان ماہر اسے بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اسے اس کیس میں کامیابی ہو گئی تو اس کی شخصیت کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ کامیابی اسے ترقی کے زینوں پر لے جائے گی۔۔۔ اور ناکامی! لیکن۔۔۔ نہیں۔۔۔ اس کے ذہن میں ناکامی کے خیال کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ایک مشاق ماہر فن کی طرح مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر توصیف بھی کمرے میں موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک تماشائی جیسی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا اور متحیر تھا کہ یہ نوجوان لڑکا کس طرح سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان تو اس نے اچھے اچھے معمر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے چہروں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں نواب صاحب کی بہن اور نجمہ بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر

آرہی تھیں۔ کنور سلیم ٹہل ٹہل کر سگریٹ پی رہا تھا۔

"ممی کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔" نجمہ نے بے تابی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دیر لگے گی۔۔۔؟"

"پریشان مت ہو بیٹی۔" بیگم صاحبہ بولیں۔ "میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ ممکن ہے صبح ہو جائے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا یہاں اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ ہم ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیں۔ غالباً کافی اب تیار ہو گئی ہو گی۔ سلیم کیا آج تم کافی نہ پیو گے۔"

"کافی کا کسے ہوش ہے پھوپھی صاحبہ۔" سلیم نے سگریٹ کو برآمدے میں بچھے ہوئے قالین پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے کہا۔ "میں نجمہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔"

"تم ساری قالینوں کا ستیاناس کر دوگے۔" بیگم صاحبہ نے ناک بھوں سکوڑ کر کہا۔ "کیا سگریٹ کو دوسری طرف نہیں پھینک سکتے۔"

”جہنم میں گئی قالین۔۔۔!“۔ وہ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ”میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔“

”عورت نہ بنو۔“ بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”ابھی کتنی دیر کی بات ہے کہ تم میری مخالفت کے باوجود بھی آپریشن کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ تمہیں تو ہم لوگوں کو دلاسا دینا چاہئے۔“

”میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سنبھالوں لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ مجھے کرنل تیواری کے الفاظ یاد آرہے ہیں جس نے کہا تھا بچنے کی امید نہیں۔ آخر احمق لڑکا کس امید پر آپریشن کر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”نہیں کنور صاحب۔۔۔!“ ڈاکٹر توصیف نے بیمار کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد نواب صاحب کو خطرات سے دور کرے گا۔“

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا" سلیم اس کی طرف گھوم کر بولا۔ "کیا آپریشن شروع ہو گیا۔"

"نہیں۔۔۔ ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا وہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہوں۔" ڈاکٹر توصیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر۔۔۔ ممّی تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن مجھے اور سلیم کو جلد از جلد طبی امداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔"

"اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔" سلیم نے کسی قدر تلخی سے کہا۔

"تم کیا بک رہے ہو سلیم۔" بیگم صاحبہ تیزی سے بولیں اور نجمہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"معاف کیجیے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔" سلیم یہ کہہ کر ٹہلتا ہوا برآمدے کے دوسرے کنارے تک چلا گیا۔

"کنور صاحب میرے خیال سے بجلی کا انتظام بالکل ٹھیک ہو گا۔ شاید ڈائنامو کی دیکھ بھال آپ ہی کرتے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ کیوں۔۔۔ ڈائنامو بالکل ٹھیک چل رہا ہے لیکن اس کے پوچھنے کا مطلب۔۔۔!" سلیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "اگر خدانخواستہ ڈائنامو فیل ہو گیا تو اندھیرے میں آپریشن کس طرح ہو گا۔ ایک بڑے آپریشن کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"بظاہر تو ڈائنامو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کر سکوں گا۔ اف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بڑی مصیبت میں پڑ جائے گا۔ اوہ نہیں نہیں۔۔۔ میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہو

سکتا۔۔۔!" کنور سلیم کے چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔

اتنے میں ایک نوکر داخل ہوا۔

"کیوں کیا ہے۔۔۔!" سلیم نے اس سے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب نیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

"پروفیسر۔۔۔مجھے۔۔۔اس وقت۔" سلیم نے حیرت سے کہا۔

"جاؤ بھئی۔۔۔نیچے جاؤ۔۔۔!" بیگم صاحبہ بے زاری سے بولیں۔ "کہیں وہ پاگل یہاں نہ چلا آئے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔" سلیم نے نوکر سے کہا۔ "کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا۔۔۔؟"

"حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھایا۔۔۔لیکن وہ سنتے ہی نہیں۔"

"خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "اس پاگل سے تو میں تنگ آ گیا

ہوں۔"

سلیم نیچے آیا۔۔۔ پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا اور چسٹر کا کالر اس کے کانوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود سردی کی وجہ سے سکڑا جا رہا تھا۔

"کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟" سلیم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ایک غیر معمولی چمکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔" پروفیسر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔"

"جہنّم میں گئی معلومات۔۔۔!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "کیا اتنی سی بات کے لئے تم دوڑے آئے ہو۔"

"بات تو کچھ دوسری ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تعجب خیز چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسی چیز تم نے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔" اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوٹھی

کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

سلیم چلنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کو نہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔

"کھٹ۔۔۔!" تھوڑی دور چلنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دھم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے پھلکے بچے کو اٹھا لیتا ہے۔ وہ تیزی سے پرانی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی سے ہوا کہ وہ نوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ یہی سوچتا رہ گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس کی کوٹھی میں دھکیل کر واپس آ رہا ہو گا۔

پرانی کوٹھی میں پہنچ کر پروفیسر نے بے ہوش سلیم کو ایک کرسی پر ڈال دیا اور جھک کر سر کے اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوٹ لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس

نے پر اطمینان انداز میں اس طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز بوڑھے نے سلیم کو پیٹھ پر لاد کر مینار پر چڑھنا شروع کیا۔ بالائی کمرے میں اندھیرا تھا، اس نے ٹٹول کر سلیم کو ایک بڑے صوفے پر ڈالا اور موم بتی جلا کر طاق پر رکھ دی۔

ہلکی روشنی میں چسٹر کے کالر کے سائے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفے سے باندھ دیا پھر وہ دوربین کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا اور دوربین کے ذریعے نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور نرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کھولتے ہوئے پانی سے ربڑ کے دستانے نکال کر پہن رہا تھا۔ وہ سب آپریشن کی میز کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے والا تھا۔

"بہت خوب۔۔۔!" پروفیسر بڑبڑایا۔ "میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا لیکن آخر اس

سردی کے باوجود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بند کیں۔"

نواب صاحب کی کوٹھی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پر اسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیمار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ بیگم صاحبہ کا سخت حکم تھا کہ کسی قسم کا شور نہ ہونے پائے۔ لوگ اتنی خاموشی سے چل پھر رہے تھے جیسے وہ خواب میں چل رہے ہوں۔

کوٹھی میں نوکرانیاں پنجوں کے بل چل رہی تھیں۔ گھر کے سارے کتے باغ کے آخری کنارے پر ایک خالی جھونپڑے میں بند کر دیے گئے تھے تاکہ وہ کوٹھی کے قریب شور نہ مچا سکیں۔

پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا اپنے گرد و پیش سے بے خبر بیمار کے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا، ایک عجیب قسم کی سنسناہٹ اس کے جسم میں

پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر رسی کے تناؤ کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھٹکنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹمٹماتا ہوا تارہ دکھائی دیا۔ تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلتی گئی۔ موم بتی کی لو تھرا رہی تھی۔ پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا۔۔۔ وہ بندھا کیوں ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

"پروفیسر آخر یہ کیا حرکت ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔ "آخر اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا تم جاگ گئے۔" پروفیسر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم اس وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار۔۔۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ میں اب گلہریوں، خرگوشوں اور مینڈکوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیوں ہے نہ دلچسپ خبر۔۔۔!"

پہلے تو سلیم نہ سمجھ سکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سب خون منجمد ہو گیا ہو۔ وہ لرز گیا۔۔۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکاروں کا حوالہ کیوں دیا ہے۔۔۔ تو۔۔۔ کیا۔۔۔ تو۔۔۔ کیا۔۔۔ اب وہ اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔

ارے!

سلیم نے شدید گھبراہٹ کے باوجود بھی لاپروائی کا انداز پیدا کر کے قہقہہ لگانے کی کوشش کی۔ ”بہت اچھے پروفیسر۔۔۔ لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو۔۔۔ شاباش یہ رسیاں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔۔۔!“

”صبر۔۔۔ صبر۔۔۔ میرے اچھے لڑکے۔“ اس نے اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب میری باری آئی ہاہاہا۔“

”تمہاری باری۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔!“ سلیم نے چونک کر کہا۔

”کیا تم نہیں جانتے۔“ پروفیسر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

”کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ سلیم نے بے پروائی سے کہا۔

”میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔“ پروفیسر نے پر سکون لہجے میں کہا۔ ”اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیئے گئے تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے۔۔۔ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ نواب صاحب کی جان بچا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھولے سلیم کیا سمجھے ؟ میں۔۔۔ میں کیا چالاک نہیں۔۔۔!“

”بہت چالاک ہو کیا کہنے۔۔۔!“ سلیم نے ہنس کر کہا۔

”تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔“ پروفیسر نے دوربین کے شیشے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”نہ تو میں احمق ہوں اور نہ میری دوربین۔۔۔ محض مذاق ہے۔۔۔ کیا سمجھے۔“

اچانک سلیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ کچھ دیر قبل جو ہونٹ مسکرا رہے تھے بھینچ کر رہ گئے۔ آنکھوں کی شرارت آمیز شوخی ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چمک میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اب تک ہنس مکھ اور کھلنڈرا نوجوان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"ان رسیوں کو کھول دو سور کے بچے۔" وہ چیخ کر بولا۔ "ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔"

"دھیرج۔۔۔ دھیرج۔۔۔ میرے پیارے بچے۔" پروفیسر نے مڑ کر پرسکون لہجے میں کہا۔ "کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت میں ہو۔۔۔ قاتل۔۔۔ سازشی۔۔۔ تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری نگرانی کی ضرورت ہے۔"

"تم دیوانے ہو۔۔۔ قطعی دیوانے۔" سلیم نے تیزی سے کہا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔۔۔!" پروفیسر نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان مگر کارآمد اوزار کی طرح استعمال کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری۔۔۔ کیا سمجھے۔"

سلیم کے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیسر کو پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے بوجھے چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ محتاط رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھنک بھی پروفیسر کے کان میں نہ پڑنے دی تھی۔ پھر اسے اس کی سرگرمیوں کا علم کیوں کر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناامید نہیں۔ کیونکہ اس کی زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیسر کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا۔ پروفیسر جو پاگل تھا۔

"تم قتل کی بات کرتے ہو۔" سلیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ "خدا کی قسم اگر تم نے یہ رسی فوراً ہی نہ کھول دی تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر

تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے اسسٹنٹ کے قاتل۔۔۔!"

"میں۔۔۔!" پروفیسر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ خبر سن رہا ہوں۔ میں نے یہ قتل کب کیا تھا۔"

"کب کیا تھا۔۔۔!" سلیم نے کہا۔ "اتنی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اپنے بنائے ہوئے غبارے میں بٹھا کر نہیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔"

پروفیسر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "اور ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہو گیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا۔ لہٰذا تم نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ اینٹھتے رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاسوس سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے متعلق اس سے کچھ نہ کہا۔

میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نعیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مرا نہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی مدراس کے کسی گھٹیا سے شراب خانے میں نشے سے چور اوندھا پڑا ہو گا اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیئے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھ کر روپے اینٹھنے کے لئے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ کہو میاں سلیم کیسی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باتیں بھی بتاؤں جو میں تمہارے متعلق بھی جانتا ہوں۔"

کنور سلیم سہم کر رہ گیا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیسر کا پاگل پن کسی نئے موڑ پر پہنچ گیا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کیچوا سمجھتا رہا وہ آج پھن اٹھائے اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"خیر پروفیسر چھوڑو ان حماقت کی باتوں کو۔" سلیم نے کوشش کر کے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری رسیاں کھول دو۔۔۔ آدمی بنو۔ تم میرے عزیز ترین دوست ہو۔ میں

وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی بڑی دوربین خرید دوں گا۔ اتنی بڑی کہ سچ مچ ایک شیشے کا گنبد معلوم ہو گی۔"

"ٹھہرو سلیم ٹھہرو۔۔۔!" پروفیسر نے دوربین کے شیشے پر جھک کر کہا۔ "میں ذرا بیمار کے کمرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپریشنوں میں کافی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹر نواب صاحب کی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بری بات ہے۔ اگر نواب صاحب دس بیس برس اور زندہ رہے تو کیا ہو گا۔ تو تمہاری وراثت تم تک جلد نہ پہنچ سکے گی۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "میں بہر حال ان کا وارث ہوں اور پھر مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔"

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک بے بس بوڑھے سے روپے اینٹھتے رہے سنو بیٹا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تنگدستی اب نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے

تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے مجھے امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈاکٹر توصیف کو اسی لئے شہر نہیں بھیج دیا کہ نوجوان ڈاکٹر سچ مچ پیدل آنے پر مجبور ہو جائے۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔" سلیم نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور تم ایک رسّی لے کر درخت پر چڑھ گئے۔" پروفیسر بولتا رہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت بچ کیسے گئے لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندھیرے کی چمگادڑ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست ہے۔ اندھیرا مجھ پر سورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا میں نہیں جانتا۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ "یہ محض تمہاری قیاس ہے۔"

”تم اسے قیاس کہہ رہے ہو لیکن یہ سو فیصد سچ ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کر دینے کی ایک وجہ اور بھی ہے جس کا تعلق آپریشن سے نہیں۔“

”کیا۔۔۔!“ سلیم بے اختیار چونک کر چیخا۔

”ٹھیک ٹھیک۔“ پروفیسر نے سر ہلایا۔ ”تمہاری چیخ ہی اقبال جرم ہے۔“

”کیا تم نے اس خنجر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احمق نے دھوکے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔“

”یہ جھوٹ ہے۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔“ سلیم بے صبری سے بولا۔ ”لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ یہ محض قیاس ہے۔۔۔ بالکل قیاس۔۔۔!“

”مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تم ہی ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹر پر گولی چلائی تھی اور وہ رائفل میرے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ گئے تھے۔ محض اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔ اور کہو تو یہ بھی بتا دوں گا کہ

تم اس رپورٹر کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پہچان گئے تھے۔ تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہو گیا ہے۔ اس وقت تو وہ بچ گیا تھا لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا۔۔۔ کیوں ہے نا سچ۔"

"نہ جانے تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔" سلیم نے سنبھالا لے کر کہا۔

"انس۔۔۔ پک۔۔۔ ٹر۔۔۔ فری۔۔۔ دی کی۔" پروفیسر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔

سلیم کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ یک لخت سست پڑ گیا۔

"تمہاری دھمکیاں میرا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے اٹھ کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ میں ان سب باتوں کی اطلاع نجمہ اور اس کی ماں کو دے دوں۔ پولیس کو تو میں اسی وقت مطلع کر دوں گا لیکن تم یہ سوچتے ہو گے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ہوں۔"

”نہیں ، نہیں پروفیسر تم جیت گئے۔ تم مجھ سے زیادہ چالاک ہو۔“ سلیم نے آخری پانسہ پھینکا۔“ اس رسی کو کاٹ دو۔ میں تمہارے لئے ایک بڑی شاندار آبزرویٹری بنوادوں گا۔“

”تمہاراذہن کسی وقت بھی چالبازیوں سے باز نہیں آتا۔ اچھامیں تم سے صلح کر لوں گا اس شرط پر کہ تم اس مینار میں کسی راز کو راز نہ رکھوگے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہارے سب راز مرتے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگلوا رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت دنوں تک بلیک میل کیاہے۔ اچھاپہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالی کوڈاکٹر شوکت کو قتل کرانے کی سازش کی تھی۔“

”میرے خیال سے تم بھی اتناہی جانتے ہو جتنا میں۔۔۔ہاں میں نے اس کے لئے روپیہ دیا تھا۔“

”پھر تم ہی نے اسے قتل بھی کر دیا۔ اس لئے کہ کہیں وہ نام نہ بتادے۔“

”ہاں۔۔۔ لیکن ٹھہرو۔۔۔!“

”انسپکٹر فریدی پر قتل کی نیت سے تم ہی نے گولی یا گولیاں چلائی تھیں۔“

”ہاں۔۔۔ لیکن تم تو اس طرح سوال کر رہے ہو جیسے جیسے۔۔۔!“

”تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رسی کا پھندا ابھی ڈالا تھا۔“ پروفیسر نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

”پھر تمہارا دماغ خراب ہو چلا۔“ سلیم نے کہا۔ ”ہاں میں نے پھندا تو ڈالا تھا۔“ لیکن پھر اس نے کہا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ رسی کو کاٹ دو۔ میں تم سے قطعی خوفزدہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ہم دونوں دوست ہیں۔“

”تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔“ پروفیسر نے کہا لیکن اس بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ سلیم چونک پڑا۔۔۔ سکڑا اسکڑایا۔۔۔ پروفیسر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سر پر بندھا ہوا مفلر کھول دیا۔ چسٹر کے کالر نیچے گرا دیئے اور موم بتی طاق پر سے اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب لا کر بولا۔

”لو بیٹا دیکھ لو میں ہوں تمہارا باپ انسپکٹر فریدی۔“

"ارے۔۔۔!" سلیم کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تم کون ہو۔۔۔ میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔" سلیم نے گرج کر کہا۔

"شور نہیں، شور نہیں۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم سے زیادہ مجھے پہچان سکتا ہے۔ جب کہ تم میرے جنازے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تعریف کروں گا سلیم! تم بہت محتاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جنازہ نکلوانے کا انتظام نہ کرتا تو تمہیں میری موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ اخباروں میں میری موت کی خبر سن کر شاید تم رات ہی کو شہر آ گئے تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے دوسرے دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور ہو لیکن اچھے جاسوس نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد با

ہوش و حواس پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے
اس رات تم نے سرجنٹ حمید کے گھر کے بھی چکر کاٹے تھے لیکن شاید اس وقت
تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیس میں راج روپ نگر اس لئے آیا تھا کہ
ڈاکٹر توصیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے روک دے کہ میں اس
سے مل چکا ہوں اور راج روپ نگر سے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار
رپورٹر کے بھیس میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پہچانتے تھے
اور کیوں نہ پہچانتے جب کہ میرا کئی بار پیچھا کر چکے تھے۔ اس رات بھی تم نے
میرا پیچھا کیا تھا۔ جب میں نیپالی کے قتل کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔۔۔ تم نے
کبڑے کے بھیس میں سرجنٹ حمید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں
کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہو گیا کہ میں تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں لہٰذا واپسی میں تم
نے مجھ پر گولی چلائی اور رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار ہو گئے۔
پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ گولی چلانا تو
درکنار وہ اس رائفل کے استعمال تک سے ناواقف ہے۔ تم نے مجھے قصبے کی
طرف مڑتے دیکھا، اس موقع کو غنیمت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر

جھاڑیوں میں جا چھپے اور تم اسی تانگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے چیخ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ نئی تدبیر آئی جس کے نتیجے میں آج تم ایک چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح بے بس نظر آرہے ہو۔" انسپکٹر فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو۔۔۔!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ مجھے کھول دو۔۔۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔۔۔!"

"ابھی تک تو اچھا ہی ہو رہا ہے۔۔۔!" فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دوربین میں دیکھنے لگا۔

قاتل فرار

"تو تم نہیں کھولو گے مجھے۔۔۔ دیکھو میں کہے دیتا ہوں۔۔۔!"

"بس بس زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کارنامہ دیکھنے دو۔۔۔!"

"دیکھو مسٹر۔۔۔!" سلیم تیزی سے بولا۔ "اوّل تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاسوس ہو اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا ہے۔"

”اس لئے کہ تم ایک اقبالی مجرم ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔ کیا یہ تمہارے باندھ رکھنے کے لئے کافی نہیں۔“

”کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔“ سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کیا تم اسے سچ سمجھے ہو۔“

”جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔“ فریدی نے دوربین پر جھکتے ہوئے کہا۔

”ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رساں۔۔۔!“ سلیم بولا۔ ”کچھ دیر قبل میں ایک پاگل آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اگر میں اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا تو وہ میرے ساتھ نہ جانے کیا برتاؤ کرتا۔ میں اس کے ظالمانہ رجحانات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہٰذا جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ واہ میرے بھولے سراغ رساں واہ۔۔۔!“

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”خیر جو ہوا سو ہوا۔۔۔ مجھے فوراً کھول دو۔ انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔“

فریدی اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"خیر خیر کوئی بات نہیں۔" فریدی سنبھل کر بولا۔ "لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے پیدل لے جانا چاہتا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقتاً سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ کر کے وہاں سے نہیں ٹل گئے تھے۔۔۔ کیا تم نے پروفیسر کو زہریلی سوئی دے کر اسے شوکت سے ہاتھ ملانے کے بہانے چبھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا تھا تب بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو بچایا تھا۔"

"نہ جانے تم کون سی داستان امیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔" سلیم نے اکتا کر کہا۔ "عقل مند آدمی ذرا سوچو تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔

جب کہ وہ میرے لئے قطعی اجنبی ہو۔ تم کہو گے کہ میں نے محض اس لئے کیا کہ چچا جان جانبر نہ ہو سکیں لیکن ایسا سوچنا حماقت ہو گی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیتا اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔"

"کیا کہا شوکت تمہارے لئے اجنبی ہے۔" فریدی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم اس کے لئے اجنبی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا بتاؤں کہ تم اس کی جان کیوں لینا چاہتے ہو۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھر سست پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کشمکش میں مبتلا تھے۔ آخرکار اس نے خوف پر قابو پالیا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو۔۔۔؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کسے گواہ کی حیثیت سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نہیں۔ دیکھو مسٹر فریدی مجھے جھانسا دینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "کاش میں سرجنٹ حمید کو یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچے ہو مسٹر جاسوس۔"

"اف میرے خدایا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہنا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میرے سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ۔۔۔ تم۔۔۔ قق۔۔۔ قاتل ہو۔۔۔!"

"ہکلاؤ نہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہنستا ہوا بولا۔ "لو میں ایک بار پھر اقبال جرم کرتا ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔

میں نے ہی نیپالی کو بھی قتل کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ میں ایک خطاب یافتہ خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ نگر کا ہونے والا نواب۔۔۔ تمہاری بکواس پر کسے یقین آئے گا۔“

”بہت اچھے برخوردار۔۔۔!“ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”بہت عقل مند ہو لیکن واضح رہے کہ اب تم نے جو اقبال جرم کیا ہے وہ پاگل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کے سامنے کیا ہے۔“

”تو پھر اس سے کیا۔۔۔ میں ہزار مرتبہ اقبال جرم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کون ہے۔۔ کہو تو ایک بار پھر دہرا دوں۔“ سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”بس بس کافی ہے۔“ فریدی نے جلی ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے کہا۔ ”تم فریدی کو نہیں جانتے۔ ادھر دیکھو اس الماری میں۔۔۔ لیکن نہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا۔ ٹھہرو میں موم بتی اٹھاتا ہوں۔ دیکھو بیٹا سلیم۔۔۔ یہ ایک بہت زیادہ طاقت ور ٹرانسمیٹر ہے اور ابھی حال ہی کی ایجاد ہے۔ ایک مختصر سی بیٹری اسے

چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ میری اور تمہاری آوازیں محکمہ سراغ رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ لیا جا رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اب کہو کون جیتا۔۔۔؟" فریدی نے قہقہہ لگایا اور سلیم نڈھال ہو کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنا دل سر کے اس حصے میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا جہاں چوٹ لگی تھی۔ لیکن اس کے ذہن نے ابھی تک شکست قبول نہ کی تھی۔ سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا اس کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے فریدی کی نظر بچا کر جو نہایت اطمینان سے دوربین پر جھکا ہوا تھا اسے پیر سے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھسکانا شروع کیا۔ اب سگریٹ کا جلتا ہوا حصہ رسی کے ایک بل سے لگا ہوا اسے آہستہ آہستہ جلا رہا تھا۔ سلیم نے اپنے دونوں پیر سمیٹ کر رسی کے سامنے کر لیے۔ رسّی خشک تھی یا سلیم کی تقدیر یاور۔ آگ اپنا کام کر رہی تھی۔ فریدی بدستور دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً سلیم صوفے سمیت دوسری طرف پلٹ گیا۔ فریدی چونک کر اس کی طرف

جھپٹا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زدہ فریدی کچھ کر سکے سلیم رسی کے بلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

فریدی اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد دونوں گتھے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کو سست پا کر فریدی کو جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ لیکن سلیم نے اس پھرتی کے ساتھ اس سے پستول چھین لیا جیسے وہ اس کا منتظر تھا۔ اسی کشمکش میں پستول چل گیا۔ فریدی نے چیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دوربین سے ٹکرا گیا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت زمین پر اوندھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑا ہو کر بری طرح کھانسنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑا ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

”میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں نے اس کے پیر میں گولی مار دی۔ اب وہ پھر میری قید میں

ہے۔ میں اسے مقامی پولیس کے سپرد کرنے جارہاہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صبح۔"

اب سلیم نے ٹرانسمیٹر کا تار بیٹری سے الگ کر کے اسے فرش پر پٹخ دیا۔ اس کے پرزے ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

خوفناک لمحے

انسپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ راج روپ نگر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچانک اس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح چیخ کر بھاگا تھا جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ ہسپتال گیا وہاں چیف انسپکٹر کو بلوا کر اسے سارے حالات بتائے اور اس سے مدد مانگی۔ یہ چیز مشکل نہ تھی۔ چیف انسپکٹر نے پولیس کمشنر سے مشورہ کر کے پولیس ہسپتال کے انچارج کرنل تیواری سے سب معاملے طے کر لیے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ڈرامہ کھیلنے کا مقصد کیا ہے۔ سول ہسپتال سے خفیہ

طریقہ پر ایک لاش حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انسپکٹر فریدی کا میک اپ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سلیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باتوں سے فرصت پانے کے بعد انسپکٹر فریدی نے بھیس بدل کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

تیسرے دن اچانک کرنل تیواری کے تبادلے کا حکم آ گیا اور اسے صرف اتنی ہی مہلت مل سکی کہ اس نے ڈاکٹر توصیف کو ایک خط لکھ دیا انسپکٹر فریدی کو اب تک سلیم پر محض شبہ ہی شبہ تھا۔ اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر ہی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا کہ سلیم پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر اپنے آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر کے متعلق اس نے ایک بالکل ہی نئی بات معلوم کی جس کی اطلاع سلیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر کوکین حاصل کیا کرتا تھا۔۔ جس طریقہ سے کوکین اس تک پہنچا کرتی تھی وہ انتہائی دلچسپ تھا۔ اسے ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے کوکین ملا کرتی تھی۔ کوکین فروشوں کے گروہ کا ایک آدمی ہر ہفتہ ایک پیکٹ کوکین اس کے لئے لا کر پرانی کوٹھی کے باغیچے میں چھپا دیا کرتا تھا۔ وہیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بار اسے مالیوں نے ٹوکا بھی لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر

ٹال دیا کہ وہ دوا کے لئے بیر بہوٹی تلاش کر رہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس گروہ کو پکڑانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر شوکت کے راج روپ نگر جانے سے ایک دن قبل ہی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم دے کر ملا لیا تھا۔ اس لئے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ آپریشن والی رات کو سرجنٹ حمید بھی وہاں آگیا۔۔۔ فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھسلا کر مالی کے جھونپڑے تک لانے کے لئے تعینات کر دیا۔ اس کے لئے پوری اسکیم پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی۔ حمید نے پروفیسر سے کوکین فروشوں کے گروہ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے ملاقات کی اور اسے کوکین دینے کا لالچ دلا کر مالی کے جھونپڑے تک لایا۔ یہاں اسے کوکین میں کوئی تیز قسم کی نشیلی چیز دی گئی جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد انسپکٹر فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسمیٹر کو گٹھڑی میں باندھ کر جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کود مچائی تھی وہ انسپکٹر فریدی ہی تھا۔

جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تو حمید کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ہر چند کے فریدی نے اسے بے ہوش پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سلیم جا چکا تھا۔ ٹرانسمیٹر چور چور ہو کر فرش پر بکھرا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بر وقت تمام اپنی چیخ روک سکا۔ اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا۔۔۔ بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدلی۔ حمید اسے ہلانے لگا۔۔۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"تم۔۔۔!" اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "وہ مردود کہاں گیا۔۔۔؟"

"کون۔۔۔؟"

"وہی سلیم۔۔۔!" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "افسوس ہاتھ آ کر نکل گیا۔"

پھر اس نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیئے۔

”اس نے تو اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن جیسے ہی اس نے گولی چلائی۔۔۔ میں نے پھر ایک بار اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن برا ہو اس دوربین کا کہ سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔ اگر میرا سر اس سے نہ ٹکرا جاتا تو میں نے پالا مار لیا تھا۔ ارے اس ٹرانسمیٹر کو کیا ہوا۔۔۔ توڑ دیا کمبخت نے۔ ایسا دلیر مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔۔۔!“

”آیئے۔۔۔ تو چلئے اسے تلاش کریں۔“ حمید نے کہا۔

”پاگل ہوئے ہو۔۔۔ اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا۔۔۔!“

اس نے دوربین کے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔

”ارے۔۔۔!“ وہ چونک کر بولا۔ ”یہ پائپ کے سہارے دیوار پر کون چڑھ رہا ہے۔“

”سلیم۔۔۔ اس کا کیا مطلب۔۔۔ ارے وہ تو کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔۔۔ یہ اس نے جیب سے کیا چیز نکالی۔۔۔ ہیں۔۔۔ یہ نلکی کیسی۔۔۔ ارے لو غضب وہ

نلکی کو ہونٹوں میں دبا رہا ہے۔۔۔ قتل قتل۔۔۔ حمید اب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قتل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی نرس کو بھی اس کی خبر نہ ہو گی۔ اف کیا کیا جائے۔۔۔ جتنی دیر میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام کر چکا ہو گا۔ کم بخت پستول بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔“

”پستول میرے پاس ہے۔۔۔!“ حمید نے کہا۔

”لیکن بے کار۔۔۔ اتنی دور سے پستول کس کام کا۔۔۔ اوہ کیا کیا جائے۔ اس کی نلکی میں وہ زہریلی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی نلکی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے جا لگے گی۔ اف میرے خدا۔۔۔ اب کیا ہو گا۔ وہ شاید نشانہ لے رہا ہے۔ اوہ ٹھیک یاد آگیا۔۔۔ میں نے وہ رائفل نیچے دیکھی تھی۔ ٹھہرو۔۔۔ میں ابھی آیا۔“ فریدی یہ کہہ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی ہوائی رائفل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس نے اسے کھول دیا۔ اس کی میگزین میں کئی کارتوس باقی تھی۔

"ہٹو۔۔۔ ہٹو۔۔۔ کھڑکی سے جلدی ہٹو۔" اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ بیمار کے کمرے سے آتی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چلادی۔ سلیم اچھل کر ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا۔۔۔!

"وہ مارا۔۔۔!" اس نے رائفل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب بیگم صاحبہ، نجمہ، ڈاکٹر توصیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی چیخ و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی نیچے آ گیا تھا۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا۔۔۔"

شوکت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم۔۔۔!" اس نے منہ پھاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

"ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپریشن کا کیا رہا۔"

”کامیاب۔۔۔!“ شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ ”لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”میں محض تمہارے لئے مرا تھا۔۔۔ میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہارے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا تھا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔“

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”آپ لوگ براہ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جایئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور حمید تم ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے چلے جاؤ۔“

”تم کون ہو۔۔۔!“ بیگم صاحبہ گرج کر بولیں۔

”محترمہ میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں سرکس والے نیپالی کے قتل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنے والے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں۔“

”نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔“ نجمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔“

انکشاف

ایک ہفتہ کے بعد نجمہ اور ڈاکٹر شوکت کوٹھی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

"افّوہ کس قدر شریر ہو تم نجمہ۔۔۔!" شوکت نے کہا۔ "آخر بے چارے مالیوں کو تنگ کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیاریاں جو تم نے بگاڑ دیں ہیں۔ مالی اس کا غصہ کس کے اوپر اتاریں گے۔"

"میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیاریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب۔۔۔!" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر ٹھیک کر دو گے۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔

"نہیں تو نہیں۔۔۔ لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور بنادوں گا۔"

"شادی۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ تم سے شادی کر لوں گی۔"

"تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر ہی لوں گا۔"

"تو مجھے بندریا بنانے سے کیا فائدہ۔۔۔ کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ لی جائے۔ آپریشن کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"

"اچھا ٹھہرو بتاتا ہوں۔۔۔ ہلو فریدی بھائی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر رہے تھے۔

"نواب صاحب کا کیا حال ہے۔" فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھے ہیں۔۔۔ تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلیں اندر چلیں۔"

نواب صاحب گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے انگور کھا رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔ ”آؤ آؤ میاں فریدی۔۔۔ میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں دیکھا تھا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے بیٹے کا حکم مجھ پر چل رہا ہے۔“ نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہوئی۔“ فریدی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ ”فریدی میاں تمہیں اس بات کا علم کیوں کر ہوا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔“

”میں داستان کا بقیہ حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں بھئی۔۔۔ پہلے تم بتاؤ۔“ نواب صاحب بولے۔

”میری کہانی زیادہ لمبی نہیں۔۔۔ صرف دو لفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا۔۔۔ اس وقت میں نے آپ کے

والد ماجد کی تصویر دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کوٹھی کا کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی شکل ہو بہو نواب صاحب مرحوم سے ملتی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہیں تھا اس کا علم سلیم کو کیوں کر ہوا۔"

"غالباً میں بے ہوشی کے دوران میں کچھ بک گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیم زیادہ تر میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی میاں یہ ایک بہت ہی پُر درد داستان ہے۔ میں تمہیں شروع سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق نہ رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مند نہ تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد مرحوم کے ڈر سے کھلم کھلا شادی نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے چھپ کر شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی وہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ اسی حالت میں وہ دو سال تک زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون

تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا ڈاکٹر کی تعلیم حاصل کر کے خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیر دارانہ ماحول میں پلے ہوئے بچے کے دل میں غریبوں کا درد قطعی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ دم توڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا جب تک وہ ان کی خواہش کے مطابق ایک اچھے کردار کا مالک نہ ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سیتا دیوی کے سپرد کر دیا۔ میں خفیہ طور پر سیتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے انتقال کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور پھر میں نے دوسری شادی نہیں کی اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ میں ساری زندگی کنوارا ہی رہا۔"

نواب صاحب نے پھر شوکت اور نجمہ کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "اب میری زندگی میں پھر سے بہار آ گئی ہے۔۔۔ اے خدا۔۔۔ اے خدا۔۔۔!" ان کی آواز گلوگیر ہو گئی اور ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

"فریدی میاں۔۔۔!"نواب صاحب بولے۔"اس سلسلے میں تمہیں جو پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کم نہیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے ہی عزیز ہو جتنے کہ شوکت اور نجمہ۔۔۔!"

"بزرگانہ شفقت ہے آپ کی۔۔۔!" فریدی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"ہاں بھئی۔۔۔ وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب بولے۔" تاوقتیکہ کوکین فروشوں کا گروہ گرفتار نہ ہو جائے۔ ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسے بچانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔"

"اچھا بھئی اب تم لوگ جا کر چائے پیو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ اگلے مہینے شوکت اور نجمہ کی شادی ہو رہی ہے۔"نواب صاحب نے نجمہ اور شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی سے کہے دیتا ہوں فریدی میاں کہ تمہیں اور حمید صاحب کو شادی سے ایک ہفتہ قبل ہی چھٹی لے کر یہاں آجانا پڑے گا۔"

”ضرور ضرور۔۔۔!“ فریدی نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مبارک ہو۔۔۔!“

نجمہ اور شوکت نے شرما کر سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”بھئی فریدی تم کب شادی کر رہے ہو؟“ ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”کس کی شادی۔۔۔؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اپنی بھئی۔۔۔!“

”اوہ۔۔۔ میری شادی۔۔۔!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”سنو میاں شوکت اگر میری شادی ہوتی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔“

”وہ کیسے۔۔۔؟“

"سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری شادی ہو گئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا سراغ رسانی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کامیاب جاسوس ہو ہی نہیں سکتا۔"

"تب تو مجھے ابھی سے استعفیٰ دینا چاہئے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" حمید نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

"تو پھر کیا تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔" شوکت نے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم بری طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پھیپھڑا بالکل سیاہ ہو گیا ہو گا۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"اگر سگار بھی نہ پیئوں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔"

"تو یہ کہئے کہ سگار ہی شریک زندگی ہے۔" نجمہ ہنس کر بولی۔

حمید قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پُرمذاق جملہ نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کی پھوہڑ جملوں پر خوب محظوظ ہوا کرتا تھا۔

"ہاں بھئی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔" ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گا۔ مجھے شروع ہی سے سلیم پر شبہ تھا لیکن میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بنا پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا۔ وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہوائی رائفل سے فائر کیا۔ لیکن ناکام رہا اس نے رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں تھما دی اور خود غائب ہو گیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ وہ کچھ خبطی سا واقع ہوا ہے۔ سلیم اسے اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھا۔ کئی سال کی بات ہے

جب پروفیسر یہاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دنوں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اس غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید نعیم غبارے کو اتارنے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین خراب ہو گئی تھی۔ غبارہ پھر پروفیسر کی دانست میں زمین کی جانب نہ لوٹا حالانکہ اس خیال غلط تھا۔ نعیم غبارے سمیت مدراس کی ایک گاؤں میں گرا حالانکہ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن گاؤں والوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کی بنا پر بچ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی سے عشق ہو گیا اور وہ وہیں رہ گیا۔ پروفیسر ان سب باتوں سے ناواقف تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ قریب قریب پاگل ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک کر دی اور راج روپ نگر میں آ گیا۔ نعیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھرتے پھراتے یہاں راج روپ نگر پہنچے۔ وہ خطوط کسی طرح سلیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے ان واقعات کا علم ہو گیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقفیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح

اس کوٹھی میں داخل ہوا اور سلیم کے کمرے کی تلاشی لی۔ نعیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گولی سلیم ہی نے چلائی تھی۔ کیونکہ پروفیسر تو اس رائفل کے استعمال سے ناواقف تھا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات میرے مرنے کی تھی۔ جب میں سلیم اور ڈاکٹر توصیف سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ سلیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی آڑ سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائر کرنے شروع کر دیئے۔ اسی دوران میں اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اب میرا وجود اس دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہٰذا میں نے ایک چیخ ماری اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ میں سیدھا ہسپتال پہنچا اور وہاں کمپاؤنڈ میں موٹر سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں نے ڈاکٹر کو اپنی ساری اسکیم سے اگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب کچھ بتایا۔ پھر وہاں سے میرے جنازے کا انتظام شروع

ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن اتفاق سے ہسپتال میں ایک لا وارث مریض مر گیا تھا۔ میرے محکمے کے لوگ اسے اسٹریچر میں ڈال کر اچھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوسی اور دوسرے جاننے والے اسے میری لاش ہی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ پھر میں نے اسی رات حمید کو ایک نیپالی کے بھیس میں ڈاکٹر توصیف کے گھر بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ میری راج روپ نگر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہٰذا یہ بات چھپی ہی رہی کہ اس دن میں راج روپ نگر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ اس پر شبہ کرنے والا اب اس دنیا سے چل بسا اور اب وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنا کام انجام دے سکے گا۔

میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ نگر لے جاؤں۔ لہٰذا میں نے ڈاکٹر توصیف سے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ نگر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچے میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں ہے لہٰذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ

بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے لئے تمہیں پیدل لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حربہ استعمال کیا جس کا مجھے گمان تک نہ تھا۔ واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گر گئی ورنہ تم ختم ہو جاتے اور مجھے پتہ بھی نہ چلتا۔ اس کے بعد تم قصبے میں چلے گئے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں بیٹھ کر پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔ اسی دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک تو یہی کہ وہ کوکین کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو باتوں ہی باتوں میں بہکتا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ۔۔۔ وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔ بہر حال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔"

"خدا تمہاری مغفرت کرے۔" ڈاکٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو فریدی بھائی۔۔۔ اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولیے گا۔" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں ترقی کب چاہتا ہوں۔ اگر ترقی ہو گئی تب تو مجھے شادی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے آفس ہی میں بیٹھ کر مکھیاں مارنی پڑیں گی۔ پھر دن بھر مکھیاں مارنے کے بعد گھر پر تو مجھ سے مکھیاں نہ ماری جائیں گی اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ گھر پر مکھیاں مارنے کے لئے مجھے ایک عدد بیوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے بس کا روگ نہیں۔"

"نجمہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراغ رسانی کا شوق پورا کرنے کے لئے اس محکمے میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "ورنہ یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور اتنے کنجوس ہیں کہ خدا کی پناہ۔"

"اچھا۔۔۔ یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کنجوس ہوں۔ کیوں بھائی میں کنجوس کیسے ہوں۔"

"شادی نہ کرنا کنجوسی نہیں تو اور کیا ہے۔" نجمہ نے کہا۔

”اچھا بھائی حمید اب چلنا چاہئے ورنہ کہیں یہ لوگ سچ مچ میری شادی نہ کرا دیں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ابھی بیٹھئے نا۔۔۔ایسی جلدی کیا ہے۔“ نجمہ بولی۔

”نہیں بہن اب چلوں گا۔ کئی ضروری کام ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔“

نجمہ اور شوکت دونوں کو کار تک پہنچانے آئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد شوکت بولا۔ ”ایسا حیرت انگیز آدمی میری نظروں سے نہیں گزرا۔ پتہ نہیں پتھر کا بنا ہے یہ لوہے کا۔۔۔ میں نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔“

”اس کے برخلاف سرجنٹ حمید بالکل مرغی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔“ نجمہ ہنس کر بولی۔

”کیوں۔۔۔؟“

”نہ جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے بچے یاد آجاتے ہیں۔“

”بہر حال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں۔۔۔ سردی تیز ہوتی جا رہی ہے۔“